سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

اپریل تا جون ۲۰۱۷ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی مکھڈ شریف (اٹک)

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

سبحان الذی اسری بعبده لیلا انما قال سبحان تنزیها لله من کل ما لا یلیق
بجلاله من القبائح والنقائص وتعجبا من قدرة الله تعالی وهو قول ابن عباس
واصله من السباحة لان السابح یبعد نفسه عن الغرق وانما اورده فی صدر الکلام
نفیا لما یتخیله اهل التشبیه والتجسیم فی حق الحق جل جلاله من الجهة والحد والمکان
ولذا قال لنریه من ایاتنا یعنی ما رای فی تلک اللیلة من عجائب الایات کانه تعالی قال
ما اسریته به الا لرؤیة الایات لا الی فانی لا یحدنی مکان ولا جهة ونسبة جمیع الاماکن
الی نسبة واحدة فکیف اسری به الی وانا عنده وانا معه اینما کان ولله در القائل
شعر سبحان من اسری الیه بعبده :: لیری الذی اخفاه من ایاته :: کحضوره
فی غیبه وکسکره :: فی صحوه والمحو فی اثباته :: ویریه ما ابدی من تودده :: بوجوده فقده
من هیئاته :: سبحان من سیده وبهیمن :: فی ذاته وسماته وصفاته :: وانما قال
اسری بعبده اشارة الی ان الله تعالی هو المسیر فیعلم ان الامر من عنده عز
وجل لعنایة ازلیة سبقت له علیه الصلوة والسلام بالم لستره ولا اختلج فی ضمیره او خلد

"تفسیرِ معراجی" مصنفہ حافظ محمد دراز پشاوری کے صفحہ اول کا عکسِ جمیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

14

اپریل تا جون ۲۰۱۷ء

چندہ سالانہ 700 روپے فی شمارہ 175 روپے

رابطہ:
0343-5894737 0333-5456555
0346-8506343 0334-8506343
e-mail: sajidnizami92@yahoo.com

پرنٹرز/ پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

0334-8506343

ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامیں:

کاروبارِ زیست میں علم بغیر عمل کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ معاشرے میں بگاڑ کی ایک وجہ بے عملی کا بڑھتا ہوا رُجحان ہے۔ سیانے کہتے ہیں کہ علم بڑھ رہا ہے جب کہ عمل گھٹتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبت و یگانگت کے بجائے نفرت و بربریت نے معاشرے کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ واعظ کی شیریں بیانیاں بھی ہماری تقدیر نہ بدل سکیں۔ گفتار کی گھن گرج میں کردار کا دامن ہمیشہ خالی رہا۔ حدیثِ پاک میں سرورِ کائنات کا فرمانِ ذیشان ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ روزِ قیامت ایک آدمی لایا جائے گا۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور انھیں لے کر وہ ایسے گھومے گا جیسے چکی میں گدھا گھومتا ہے اس کے پاس دوزخی اکٹھے ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلاں تجھے کیا ہو گیا؟ کیا تو نیکی کا حکم نہیں کرتا تھا اور برائی سے منع کیا کرتا تھا؛ وہ کہے گا کیوں نہیں۔ میں نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نیکی نہ کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے منع کرتا تھا مگر خود برائی کا ارتکاب کرتا تھا۔ [بخاری و مسلم]

ہمارے ہاں ہمیشہ سے ایک طبقہ ایسا بھی رہا جو علم اور علما سے محبت کا دعویدار رہا۔ کیا صرف علم اور علما کی محبت (بغیر پیروی کے) نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

حضرت امیر حسن سنجری اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' میں لکھتے ہیں کہ'' یکم ماہِ مبارک شعبان ۷۱۹ھ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ بندے کے دِل میں ایک حدیث تھی۔ مخدوم کی خدمت میں اسے پڑھ کر سنایا کہ ''مَنْ اَحَبَّ الْعِلْمَ وَالْعُلَمَاءَ لَمْ یُکْتَبْ خَطِیْئَتُہٗ'..'' جو شخص علم اور علما سے محبت کرتا ہے اس کی خطا نہیں لکھی جاتی۔ پھر بندے نے عرض کیا کہ اس حدیث سے امید ہے کہ علم اور علما کی محبت کے سبب میرے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ سچی محبت پیروی ہے۔ جب کوئی شخص ان کا

محبت ہو جائے گا تو ان کی پیروی بھی ضرور کرے گا اور نامناسب چیزوں سے دور رہے گا؛ اور جب یہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ اس وقت فرمایا کہ جب تک حق تعالیٰ کی محبت دل کے غلاف میں رہتی ہے؛ گناہ کا امکان رہتا ہے۔ لیکن جب محبت دل کے مرکز میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر گناہ کا امکان نہیں رہتا۔

O

''قندیل سلیماں'' شمارہ ۱۴ حاضرِ خدمت ہے۔ چوں کہ یہ سہ ماہی اپریل تا جون ۲۰۱۷ء کا شمارہ ہے جو آپ کی خدمت میں اگست ۲۰۱۷ء کو پہنچ رہا ہے۔ ادارہ اس تاخیر پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ اسلامی مہینوں میں یہ سہ ماہی رجب تا رمضان ۱۴۳۸ھ پر مشتمل ہے۔ شمارہ کے زیادہ تر منثورات و منظومات اسی سہ ماہی کی مناسبت سے ہیں۔ ''رجب المرجب'' کے حوالے سے استادِ مکرم نذر صابریؒ کا مقالہ ''معراج ایک صُوفی کی نظر میں'' اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک منفرد تحریر ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کی تحریر ''سراج السالکین۔ درگاہِ نیازِ بے نیاز کا ایک مجموعہ ملفوظات'' ملفوظاتی ادب میں خوبصورت اضافہ ہے۔ دیگر مضامین میں غزوہ بدر کے حوالے سے علامہ قاری سعید کا مقالہ ''غزوہ بدر الکبریٰ''، پروفیسر فاروق فیصل تونسوی کا مقالہ ''تصوف و طریقت کے مبلغ'' حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ''، افتخار احمد حافظ قادری کا مقالہ ''مثنوی مولانا رُوم میں تعلق بالرسول ﷺ کی چند جھلکیاں'' شامل ہیں۔ علاوہ ازیں منثورات و منظومات کو سابقہ روایت و ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

مدیر

حمدِ باری تعالیٰ

محمد مشرف حسین انجم

تیری رحمت بہار دیندی اے
زندگی نوں نکھار دیندی اے

روز خشبو تیری عنایت دی
دِل دے رستے سنوار دیندی اے

تیری حمد و ثنا دی ہر چاہت
دھڑکناں نوں قرار دیندی اے

تیری یاداں دی ہر بھلی سنگت
زندگی نوں وقار دیندی اے

تیری رحمت دی ہر ادا ڈکھری
جہیڑی ظالم نوں مار دیندی اے

روز دُکھاں دی تیز آندھی وچ
تیری رحمت سہار دیندی اے

تیری الفت شعور انجم توں
غم دے پر دے اتار دیندی اے

☆☆☆

داغؔ دہلوی

تو جو اللہ کا محبوب ہوا ، خوب ہوا
یا نبی خوب ہوا ، خوب ہوا ، خوب ہوا

اے شہنشاہِ رُسل، فخرِ رُسل، ختمِ رُسل
خوب سے خوب، خوش اسلوب ہوا، خوب ہوا

حسنِ یوسف میں ترا نور تھا اے نورِ خدا
چارۂ دیدۂ یعقوب ہوا ، خوب ہوا

فخرِ آدم تو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا
بنی آدم سے جو منسوب ہوا ، خوب ہوا

حشر میں اُمّتِ عاصی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا ، خوب ہوا

داغؔ ہے روزِ قیامت مری شرم اُس کے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا، خوب ہوا

☆☆☆☆☆

منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حافظ محمد بخش سیالوی

علیؓ عین الیقیں ، حق الیقیں ہے
علیؓ کامل امام المتقیں ہے

علیؓ اسلام کے ماتھے کا جھومر
علیؓ اسلام کی صبحِ حسیں ہے

علی شبیر و شبر کا ہے بابا
علی دامادِ ختم المرسلیں ہے

علی صدیق ، عمر ، عثمان کا بازو
علی مہرِ نبوت کا نگیں ہے

علی مصداق و مصدر ضربِ حیدر
علی ''الفقر فخری'' کا امیں ہے

علی اسلام کا بازوِ شمشیر
علی خیبر شکن حق کے قریں ہے

علی بابِ مدینۂ علم و حکمت
علی سر سلسلۂ فقر و دیں ہے

علی سویا ہوا جس خاک پر ہے
فلک سے بڑھ کے برتر وہ زمیں ہے

علی سرخیلِ بزمِ اصفیا ہے
علی عشاق کے دل میں مکیں ہے

علی کی شان دیکھو کہ نبی کا
شبِ ہجرت علی مسند نشیں ہے

علی کے در پہ دیکھو ہر ولی کی
جُھکی فرطِ عقیدت سے جبیں ہے

علی کا نام لیوا ہو کے حافظؔ
تو کیوں اتنا فسردہ دِل حزیں ہے

☆☆☆

منقبت حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

پروفیسر انور بابرؔ

اے مکھڈی پیرؒ شانِ اولیا
شاہ سلیماں تونسویؒ کے دِل رُبا

ضو فشاں تجھ سے طریقت کا جہاں
میکدہ جاری ترا صبح و مسا

ساتھ تیرے ہیں محمد ﷺ و علیؓ
اس لیے بالا مقام و مرتبہ

کردیا ادنیٰ کو اعلیٰ عشق سے
تُو نے سمجھائے رمُوزِ لاالٰــــــــــہ

تذکرہ تیرا سکونِ قلب و جاں
تیرے در کی خاک ہے خاکِ شفا

تیرے مرقد کا کرے خوشبو طواف
بوسہ لینے آتی ہے بادِ صَبا

تیرے کوچہ میں ہجوم بے کراں
حشر سے پہلے ہُوا محشر بپا

حاضری دینے کو آتے ہیں یہاں
نقشبندی ، قادری و چشتیا

شاکر و ساجد، امین و فتحِ دین
جن کی قربت کتنی ہے راحت فزا

فیض کا مرکز مکھڈ کی بارگاہ
ہم کو بھی بآبر بصیرت ہو عطا

☆☆☆☆

خدا کے خوف، پیغمبر ﷺ کے ناموس، مذہب کی غیرت اور عقائد کے شرف سے ہاتھ اُٹھا لینے کا نام رواداری نہیں اور نہ کسی رہزن کو روادازی کے نام پر چھوڑ دینا اسلام یا انسانیت ہے۔

[شب جائے کہ من بودم، شورش کاشمیری]

سرمایۂ الہام

کلام: بابا فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ

منظوم اُردو ترجمہ: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

(۱)

فریدا سو ای سرور ڈھونڈ ، جتھوں لبھی وتھ

چھپٹ ڈھونڈیں کیا ہووے ، چکڑ ڈُبے ہتھ

☆

فریدؔ! اُسی چشمے کو ڈھونڈو ، جو تقدیر بنائے

چھپڑ ڈھونڈے سے کیچڑ دن ، کچھ بھی ہاتھ نہ آئے

(۲)

فریدا کوٹھے ڈھکن کیتڑا ، پر نیندڑی نوار

جو دیہنہ لدھے گانویں ، گئے وِلاڑ وِلاڑ

☆

فریدؔ! یہ کوٹھی بنگلے چھوڑو ، ہو جاؤ بے دار

عمر کے جو دن ملے تھے تُم کو، گئے ہیں وہ بے کار

(۳)

اُٹھ فریدا وضو ساج ، صبح نماز گُزار

جو سِر سائیں نہ نویں ، سو سِر کپ اُتار

☆

فریدؔ! اُٹھو پاکیزہ ہو کر ، صبح نماز گزارو
جو نہ جھکے سر رب کے آگے ، اُس کو کاٹ اُتارو

(۴)

تتّی تو ءِ نہ پلوے ، جے جل ٹُبھی دے
فریدا جو ڈوہاگن رب دی ، جُھوریندی جُھورے

☆

فریدؔ! جلے جو پودا اُس کو ، پانی کب؟ مہکائے
جس کو رب نے پھٹکارا ہے ، ہاتھ مَلے ، پچھتائے

(۵)

فریدا پنکھ پَرَاہنی ، دُنی سُہاوا باغ
نوبت وَجّی صبح سیوں ، چلّن کا کر ساج

فریدؔ! مسافر سارے پنچھی ، دُنیا باغ سُہانا
صبح سے نوبت باج رہی ہے ، اُٹھ غافل نادانا

☆☆☆

غزوہ بدر الکبریٰ

علامہ قاری سعید احمد

حضور اکرم ﷺ کو کفار مکہ کے ساتھ جو سب سے پہلی با قاعدہ جنگ لڑنی پڑی وہ جنگِ بدر ہے۔ جو مقام بدر میں رمضان المبارک کی سترہ تاریخ ۲ ہجری کو لڑی گئی۔ بدر ایک گاؤں ہے اور بعض کے نزدیک بدر ایک کنویں یا چشمے کا نام ہے۔ جس کو بدر بن حارث بن مخلد النضر بن کنانہ نے کھودا تھا۔

اس غزوہ کو بدر العظمیٰ بدر الکبریٰ بدر القتال اور بدر الفرقان بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ میں حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔ یہ غزوہ تمام غزوات سے اعظم ہے۔ اس غزوہ میں اسلام کی شان وشوکت اور دین کی عظمت میں اضافہ ہوا۔ اس میں مشرکین مکہ کی تعداد ایک ہزار اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ جیسے کہ ترمذی شریف میں ہے۔

عن البرا قال کنا نتحدث ان اصحاب بدر یوم بدر کعدہ اصحاب طالوت ثلاث مائة عشرہ. [جامع ترمذی]

حضرت برا ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم کہا کرتے تھے کہ جنگِ بدر کے دن بدری صحابہ کی تعداد اصحابِ طالوت کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ تھی۔ کافروں کے پاس بہت سا جنگی سامان تھا۔ چنانچہ ان کے پاس سو ۱۰۰ گھوڑے سات سو ۷۰۰ اونٹ تھے۔ سبھی سوار اور پیادہ زرہ پوش تھے۔ اس کے علاوہ عیش وعشرت کے سامان بھی ان کے پاس تھے۔ اور ہر روز دس اونٹ ذبح ہوتے تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس صرف آٹھ تلواریں چھ زرہیں اور دو دو (۲،۲) گھوڑے تھے۔ مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں۔ یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں پلٹنے آئے تھے۔

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام، ترگ شریف، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی

جب مسلمان مدینہ منورہ میں امن سے بیٹھے تو مشرکین مکہ کو بہت ناگوار گزرا کہ یہ جماعت ہمارے ظلم سے کیوں بچ نکلی۔ اس لیے وہ طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگے چناچہ انھوں نے ابوسفیان کو تجارتی مال کے ساتھ ایک قافلہ کا سردار بنا کر ملک شام کی طرف بھیجا اور طے ہوا کہ اس کا سارا نفع ہتھیاروں اور سامانِ جنگ پر خرچ کیا جائے تا کہ مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ مشرکین کو اس تجارتی قافلے میں بہت نفع ہوا۔ جب وہ قافلہ وہاں سے واپس ہوا تو راستے میں اس کا گزر مدینہ طیبہ کے قریب سے ہونا تھا۔ حضور ﷺ کو اس خطرناک منصوبہ کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے میرے صحابہ چلو اِس قافلے کو روک لو اور اس کا مال حاصل کر لو تا کہ مشرکین کے ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں۔ علاوہ ازیں تفسیر کبیر میں ہے۔ کہ ملک شام سے قریش کا قافلہ اموالِ کثیر لے کر واپس لوٹا۔ اس قافلے میں چالیس سوار تھے جن میں ابوسفیان عمرو بن العاص اور دیگر مشرکین تھے۔ جبرائیلِ امین نے حضور ﷺ کو اس قافلے کی آمد کی اطلاع دی۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کہ مشرکین کا ایک قافلہ بہت زیادہ سازوسامان لے کر ملکِ شام سے لوٹ رہا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو شاید خداتعالیٰ تمھیں یہ مال بخش دے۔

چنانچہ تین سو تیرہ صحابہ کرام ؓ جن میں ستتر۔ ۷۷ مہاجرین اور دوسو چھتیس۔ ۲۳۶ انصار تھے۔ حضور ﷺ چھوٹی سی جماعت کے ساتھ نکلے۔ جس کے سپہ سالار خود امام الانبیا حبیبِ کبریا علیہ السلام تھے۔

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا، نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اس غزوہ میں آٹھ حضرات عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ تین مہاجرین حضرت عثمان غنی ؓ جن کی زوجہ مقدسہ رقیہ بنتِ رسول خدا بیمار تھی۔ حضور ﷺ کے حکم سے ان کی تیمارداری کے لیے رُک گئے۔ طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زیدان دونوں کو حضور ﷺ نے مشرکین کے قافلے کی خبر لانے کو روانہ فرمایا تھا اور پانچ انصار تھے۔ حضرت ابولبابہ اور عاصم بن عدی ان کو مدینہ منورہ پر

اپنا قائم مقام کیا۔ عاصم بن عدی کو اہل عالیہ پر مقرر کیا۔ حارث بن حاطب کو روحاء مقام سے کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف بھیج دیا، کیونکہ آپ ﷺ کو ان کی طرف سے اچھی بات نہ پہنچی تھی۔ حارث بن صمہ جو روحاء میں گرنے سے زخمی ہو گئے تھے انھیں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ خوات بن جبیر انھیں بھی گرنے کی وجہ سے واپس کر دیا۔ ان تمام حضرات کا مالِ غنیمت میں حصہ مقرر فرمایا۔ جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا تو حضرت عبداللہ بن مکتوم کو نمازوں پر اپنا جانشین مقرر فرمایا اور مقام روحاء سے حضرت ابولبابہ ؓ کو مدینہ طیبہ پر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

مدینہ منورہ سے نکلنے پر نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کے لیے اللہ سے دعا مانگی۔

اللهم انهم حفاة فا حملهم و عراة فاكسهم و جياع فا شبعهم و عالة فا غنهم من فضلك.

ترجمہ: اے اللہ یہ پیادہ ہیں ان کو سواریاں عطا فرما۔ یہ برہنہ ہیں ان کو لباس عطا کر، یہ بھوکے ہیں ان کو سیر کر دے۔ یہ نادار ہیں ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔

حضور ﷺ کی دُعا کا یہ اثر ہوا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو شاندار فتح ہوئی اور ہر صحابی کو ایک ایک گھوڑا یا دو دو اونٹ میسر ہوئے۔ علاوہ ازیں غنیمت میں بہت سا کپڑا اور کھانے کی اشیا ہاتھ لگیں۔ جب حضور ﷺ مدینہ شریف سے روانہ ہوئے تو دو مشرک بھی حضور ﷺ کے ساتھ ہو لیے جو مدینہ شریف میں ہی رہتے تھے۔ ایک کا نام قیس دوسرے کا نام ابن یساف تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم ہمارے ساتھ کیوں نکلے۔ انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے ہمسائے ہیں اس لیے آپ کے ساتھ نکلے ہیں کہ ہمیں بھی مالِ غنیمت مل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ اس پر ابنِ یساف مسلمان ہو گئے اور نہایت دلیری سے جہاد کیا۔ دوسرے نے اسلام قبول نہ کیا۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے حضور ﷺ نے اس مشرک سے فرمایا:

تو من باالله ورسوله قال لا قال ارجع فلن استعين بمشرك.

ترجمہ: تو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لا۔ اس نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: واپس لوٹ جا میں مشرک سے امداد نہیں لیتا چنانچہ وہ واپس ہوگیا۔

حضور ﷺ برابر اپنے ارادے سے جا رہے تھے۔ صفراء کے قریب پہنچ کر طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو ابوسفیان کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے بدر کے مقام پر پہنچ کر بطحاء کے قریب ایک ٹیلہ پر اپنی سواریاں بٹھائیں اور پانی کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں دو باندیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک دوسری سے کہہ رہی تھی کہ تو میرا قرضہ ادا کیوں نہیں کرتی۔ اس نے کہا جلدی نہ کر، کل یا پرسوں قافلہ آنے والا ہے۔ میں قافلے والوں کا کچھ کام کاج کر کے مزدوری کروں گی تو اس سے تیرا قرض ادا کردوں گی۔ مجدی بن عمرو سے کہنے لگا یہ سچ کہتی ہے ان کی اس گفتگو کو ان دونوں صحابہ نے سن لیا اور اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر حضور ﷺ کی طرف چل دیے۔ ادھر ابوسفیان اپنے قافلے سے پہلے یہاں اکیلا پہنچا اور مجدی بن عمرو سے کہا اس کنویں پر تم نے کسی کو دیکھا اس نے کہا نہیں۔ البتہ دو سوار آئے تھے۔ اپنے اونٹ اس ٹیلے پر بٹھائے، اپنی مشک میں پانی بھرا اور چلے گئے۔ ابوسفیان یہ سن کر اس ٹیلے پر پہنچا اور مینگنیاں لیں اور ان کو توڑا ان کے اندر سے کھجور کی گٹھلیاں برآمد ہوئیں۔ کہنے لگا: خدا کی قسم یہ تو یثرب والوں کا چارہ ہیں۔ (یعنی اونٹوں کو گٹھلیاں وہی کھلاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ سوار مدینے کے تھے) فوراً واپس اپنے قافلے میں لوٹا اور راستہ بدل کر سمندر کے کنارے چل دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

ضمضم غفاری کو اپنے سے پہلے مکہ روانہ کردیا کہ جا کر قریشِ مکہ سے کہہ دو؛ کہ محمد ﷺ اور اس کے صحابہ تمھارے قافلے کو لوٹ لینا چاہتے ہیں۔ ضمضم غفاری بہ سرعت تمام منازل طے کرتا ہوا مکہ پہنچا۔ اس نے اپنے کُرتے کو آگے پیچھے سے پھاڑ لیا۔ اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ دیئے اور اپنے کجاوے کو الٹا کردیا۔ اس حالت میں مقام ابطح پر آکر کھڑا ہوگیا اور بلند آواز سے پکارنے لگا: اے قریشیو! مسلمان تمھارے قافلے کو لوٹ لینا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے وہ پکا ارادہ کر چکے ہیں۔ لہٰذا اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے باہر نکلو اور ان کا مقابلہ کر کے اپنے

ساز وسامان اور ساتھیوں کو بچاؤ۔ [مدارج النبوت۔ص۸۲،جلد۲]

قریش کا ارادہ خروج: جب قریش نے ضمضم بن عمرو الغفاری کا واویلا سنا تو انھوں نے مکہ سے نکل کر اپنے قافلے کو بچانے کا ارادہ کیا اور انھوں نے یہ طے پایا کہ جس گھر میں دو آدمی ہیں ان میں سے ایک ضرور قافلے کی حفاظت کے لیے نکلے اور مالدار غریبوں کو اسلحہ مہیا کریں)۔ چنانچہ کفار ساڑھے نوسو کی تعداد میں نکلے ان کے پاس سو۔۱۰۰ گھوڑے اور سات سو اونٹ یا اس سے زیادہ تھے۔ یہ لشکر کس شان سے مکہ سے روانہ ہوا چنانچہ مورخین نے یوں لکھا۔ کہ ان کے ساتھ رقص کرنے والی کنیزیں تھیں جو دفیں بجارہی تھیں۔ انھیں جوش دلانے کے لیے گیت گارہی تھیں اور مسلمانوں کو ہجو میں اشعار سنا کر ان کی آتشِ غضب کو اور بھڑکارہی تھیں۔ نیز کفارِ مکہ جب مکہ سے نکلے تو غرور وتکبر کا پیکر بنے ہوئے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرقانِ حمید میں ان کے غرور وتکبر کو خاص طور پر بیان فرمایا:

ولا تکونو کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورياء الناس ويصدون عن سبيل الله والله بما يعملون محيط. (القران)

ترجمہ: اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے اور ان کے سب کام اللہ کے قابو میں ہیں۔ (کنزالایمان)

ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں: جب کفار کی تیاریاں مکمل ہوچکیں تو اچانک ایک خیال نے ان کو پریشان کردیا۔ قریش نے بنی کنانہ کے ایک بوڑھے شخص کو قتل کردیا تھا۔ ان کے علاقہ سے قریش کا ایک نوجوان گزرا۔ انھوں نے اس کو پکڑا اور موت کے گھاٹ اتاردیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرالظہر ان سے بنی کنانہ کا ایک سردار عامر نامی گزرا۔ مقتول قریشی کے بھائی نے موقع پا کر اس کو قتل کردیا۔ اب انھیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مکہ سے اتنے دور چلے جائیں۔ بنو کنانہ ہمارے گھروں کو خالی پا کر حملہ کردیں ۔ ہمارے اہل وعیال کو قید کرلیں گے اور ہمارے مال واسباب کو لوٹ کرلے جائیں گے۔ انھوں

نے سوچا کہ ایسے حالات میں ان کا باہر جانا بڑا خطرناک ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس مہم کو ترک کر نے کا ارادہ کرلیا۔

اچانک ابلیس ملعون سراقہ بن مالک المدلجی کی شکل میں ظاہر ہوا اور ایک جھنڈا اور لشکر بھی ساتھ لایا اور انہیں تسلی دی کہ بنو کنانہ ان پر حملہ آور نہیں ہونگے اور ان کے لیے اس بات کا ضامن بنا۔ اور سراقہ بن مالک المدلجی کی شکل میں آکر ان سے کہا جو بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا۔

انا جارلکم من ان یاتیکم من کنانه شئی تکرهو نه :

ترجمہ: میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کی بنو کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جو تمہیں ناپسند ہو۔ (خازن)

اس نے ایک جھوٹ بھی بولا کہ بنو کنانہ تو تمہاری امداد کے لیے آنے کو تیاریاں کر رہے ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیہ مبارکہ میں شیطان کی مکاری کا ذکر ہے۔

واذ زین لهم الشیطان اعمالهم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جارلکم.

ترجمہ: اور یاد کرو جب آراستہ کردیے ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال اور انھیں کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں اور میں نگہبان ہوں تمہارا۔

جب مسلمانوں اور کافروں کے دونوں لشکر صف آرا ہوئے اور رسولِ کریم ﷺ نے ایک مشتِ خاک مشرکین کے منہ پر ماری اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ابلیسِ لعین کی طرف بڑھے جو سراقہ کی شکل میں حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ وہ ہاتھ چھوڑا کر مع اپنے گروہ کے بھاگا۔ حارث پکارتا رہ گیا سراقہ سراقہ؛ تم ہمارے ضامن ہوئے تھے کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا مجھے وہ نظر آتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا۔

شیطان کی ذلت اور رسوائی: حضرت طلحہ بن عبیداللہ بن کرزؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے شیطان کو کسی دن اس قدر چھوٹا؛ اس قدر رحمت سے دور، اس قدر غضبناک نہیں دیکھا

یا جتنا وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دن وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کی اللہ کی طرف سے معافی دیکھتا ہے اور جس قدر وہ ذلیل جنگِ بدر کے دن ہوا تھا۔ پوچھا گیا کہ اس نے جنگِ بدر کے دن کیا دیکھا تھا یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: اس نے دیکھا کہ جبرائیل امین فرشتوں کی صفیں دے رہے ہیں۔

[تفسیر خازن، ص ۲۶۱، جز الثانی]

------ جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

بات سے بات

☆ اللہ کی محبت کی انتہائی عملی شکل اللہ کے محبوب ﷺ کی اطاعت اور محبت ہے۔

☆ یہ عین ممکن ہے کہ آدمی کے پاس مال نہ ہو اور وہ خوش حال ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پاس مال ہو اور وہ بدحال ہو۔

☆ وقت کو وقت سے پہلے سمجھنے کے لیے وقت سے نکلنا پڑتا ہے۔

☆ دولت کی محبت کم کر دو اندیشے کم ہو جائیں گے۔

☆ جس قوم سے نالۂ نیم شب اُٹھ جاتا ہے، اس سے سکون اُٹھ جاتا ہے۔

معراج ایک صوفی کی نظر میں

نذر صابریؒ

[نذر صابریؒ کی یہ تحریر پہلی بار "قانون گوشیخ لاہور" فروری /مارچ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔ "قندیل سلیماں" کے لیے نذر صابریؒ کے صاحبزادہ جناب خالد رضا صاحب نے یہ تحریر عطا کی۔ادارہ اس عنایت پر جناب خالد رضا صاحب کا ممنون ہے۔ادارہ]

معراج کب ہوئی ؟ کیوں کر ہوئی ؟ روحانی تھی یا جسمانی ؟اگر جسمانی تھی تو آپ کہاں سے کہاں تک گئے؟ کیا آپ نے خدا کو دیکھا؟ اگر دیکھا تو یہ دیکھنا چشمِ سر سے تھا یا چشمِ دل سے؟ یہ اور اس قسم کے کچھ اور سوالات میں محدثین ،فقہا ،متکلمین اور فلاسفہ ،اسلام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔اور تو اور خود محدثین صحابہؓ اس اختلاف سے خالی نہیں۔اسلام میں صرف صوفیاء کا گروہ ایسا ہے جو ان مسائل میں حیرت انگیز طور پر یک زبان ہے۔یہاں یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے۔کیا صوفیاء، صحابہؓ سے اس مسئلہ میں زیادہ صحیح نظر رکھتے تھے؟ اس سوال کو سمجھنے کے لیے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ پیش نظر ہونا ضروری ہے۔موسیٰ علیہ السلام جو بلاشبہ ایک اولوالعزم پیغمبر اور صاحبِ شریعت نبی تھے۔اس واقعہ میں ایک ایسے انسان سے کم تر نظر آتے ہیں جو اگرچہ عارفِ کامل تھا مگر اس کا پیغمبر ہونا قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔

ایک ولی کا وہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو نبی سے یوں بڑھ جانا کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں ہے۔بات اصل میں یوں ہے کہ ولی چونکہ علم تکوین کا حامل ہوتا ہے؛ وہ واقعات عالم میں اللہ کے مخفی ہاتھ کو سرگرم کار رکھتا ہے اور کشف کے ذریعہ اصل واقعہ اور اس کے صحیح محرک کو معلوم کر کے اس کے مطابق حکم سکھاتا ہے۔مگر برخلاف اس کے پیغمبر احکام شرعی کا علمبردار ہوتا ہے۔کشف وکرامات اور معجزات اس کے فرائضِ منصبی میں داخل نہیں ہیں۔تہذیب، اخلاق اور تاسیس امن

اس کا سب سے بڑا فریضہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ بندوں کو وسیع پیمانہ پر اللہ کے در پر جھکا دے، ان کو اخلاق الٰہی سے ذراتر کردے اور عالم میں منشائے الٰہی اور احکام خداوندی کے جاری ہونے کا باعث ہو۔ اس کے احکام ظاہر پر عائد ہوتے ہیں۔ باطنی احوال محرکات کو خدا پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ ایک ولی کامل کو بھی کشتی توڑنا اور معصوم بچہ کو بے وجہ قتل کرتے دیکھ کر چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا؛ بلکہ فوراً فعل کی حلت وحرمت کا فتویٰ دیتا ہے۔ پیغمبر کا ارتحال کی ظاہری صورت پر سزا وجزا کے احکام نافذ کرنا، جن فوائد ومصالح سے ہمکنار ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ اگر احکامِ شریعت کو چند لمحوں کے لیے بھی ساقط کر دیا جائے اور سُنتِ خضرؑ اس کی جگہ لے لے تو اس کے تباہ کن نتائج کے تصور سے ہی انسانی ذہن کانپ اُٹھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر امورِ تکوین کی جگہ امورِ تشریعی پر اس قدر زور دیتا ہے۔ واقعۂ معراج بھی سرتاپا صوفیاء کے اس امرِ تکوین کا مظہر ہے۔ احکامِ شریعت میں سے ایک بھی حکم اس سے استنباط نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر صوفیاء نے اس امرِ تکوین پر زیادہ توجہ دی اور نسبتاً زیادہ روشنی ڈالی؛ تو یہ ان کی صحابہ کرامؓ پر فضیلت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا سب سے بڑا نصب العین احکامِ شریعت کی تبلیغ وترویج ہی تھا جس میں وہ ہزار دل وجان سے کوشاں رہے اور اپنی ساری زندگی اس خدمت کے لیے وقف کر دی۔ وہ ہر لحظہ اس کوشش وفکر میں غرق رہتے تھے کہ جو انوارِ نبوّت اور امورِ شریعت ان تک پہنچے ہیں۔ وہ اُمتِ مسلمہ تک پہنچا دیے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس امانت کے ابلاغ میں کوتاہی اور تاخیر کا شکار ہو کر امتِ مسلمہ کی اس نعمت سے محرومی کا باعث بن جائیں اور دربارِ رسالت میں شرمندگی اُٹھائیں۔

مگر جب احکامِ شریعت اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ عالمِ اسلام میں پھیل گئے۔ اور اُن کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ رہا تو علما کے ایک گروہ نے امورِ تکوین پر اپنی توجہ مبذول کرنی شروع کر دی۔ یہ گروہ آگے چل کر صوفیاء کے نام سے مشہور ہوا۔ علمِ شریعت کے ساتھ ساتھ اسرار

شریعت، تہذیب واخلاق اور انتساب عشق میں یہ لوگ دوسرے تمام گروہوں سے آگے نکل گئے۔ شریعتِ مطہرہ کے جو اسرار، قرآن حکیم کے جو نکات، اخلاق کی جو باریکیاں اور اطاعتیں اس میں ان کے سیرت و کردار، اقوال اور تصانیف میں ملتی ہیں۔ وہ قرآن و حدیث کے بعد اور کہیں نظر نہیں آتیں۔ صحت و تحقیقِ حدیث میں ان کا طرزِ استدلال جداگانہ ہے۔ وہ ہر حدیث کو اپنے نورِ باطن سے پرکھتے ہیں۔ جس حدیث میں انھیں انوارِ نبوت جگمگاتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس پر ایمان لے آتے ہیں وگرنہ اسے رد کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ حدیث محدثین کے نزدیک کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہو۔ پھر اس گروہ کی کتابوں میں بہت سی ایسی احادیث بھی ملتی ہیں، جو حدیث کی باقاعدہ کتابوں میں کہیں مندرج نہیں۔ یہ احادیث انھوں نے رسول کریم ﷺ سے براہِ راست اخذ کی ہیں۔ مگر محدثین ان کو ماننے پر مجبور نہیں اور نہ اُمت اُنھیں تسلیم کرنے پر مکلف ہے۔ کیوں کہ اُن کے مقررہ طریقِ تنقید اور معیارِ حدیث پر پوری نہیں اُترتیں۔ ان احادیث کو صرف وہی لوگ تسلیم کرتے ہیں جو خود اس طریقِ تنقیدِ حدیث پر ایمان رکھتے ہوں۔

بہ ہر حال چونکہ ان کی احادیث میں رسول کریم ﷺ کی بزرگی اور رفعتِ شان کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا اُن پر ایمان لانے میں بہت بڑا اجر ہے اور اُن سے انکار کرنے میں نقصان کا اندیشہ اور بعض حالات میں ایمان کے زائل ہونے کا خوف ہوتا ہے۔

مزید براں صوفیہ کا نظریہ ہے کہ انسان گو صورت کے اعتبار سے ایک حقیر سی چیز ہے مگر معنی کے اعتبار سے ایک عالمِ بسیط و منبسط ہے۔ یہ ایک ایسا غنچہ ہے جس کے اندر گلستان کے گلستان اور بہاروں کی بہاریں قافلہ در قافلہ موج زن ہیں۔ خارج میں تفصیلی طور پر ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے۔ اجمالی طور پر وہ ہمارے باطن میں موجود ہے دوسرے الفاظ میں گویا انسان تمام کائنات کی تصویرِ صغیر ہے۔ زمین و آسمان، جن و ملک، جنت و دوزخ، عرش و کرسی اور لوح و قلم جیسے عجائبات تک بھی اس کے باطن میں مضمر ہیں۔ جب انسان ریاضت اور توجہ سے طبیعت کے پردہ کو چاک کر دیتا ہے اور حواس ظاہری کے گرد و غبار کو ہٹا دیتا ہے۔ تو اُسے انبیاء کے حواس عطا کیے جاتے

ہیں۔اس وقت وہ بظاہر اس دنیا کا باسی ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس کی دنیا اور ہوتی ہے۔اس کے شب و روز اور ہوتے ہیں۔

مطلب قبلؔ را ابرے و آبے دیگر است

آسمان و آفتابے دیگر است

وہ اہلِ دنیا کے ساتھ رہ کر بھی ان سے الگ رہتا ہے وہ خلوت در انجمن ہوتا ہے۔اس کی نظر ہر لحظہ تجلیاتِ الٰہیہ پر مرکوز رہتی ہے۔عالمِ ملکوت اس کی سیر گاہ بن جاتا ہے وہ نفسِ انسانی اور خالقِ کائنات کے باہمی تعلقات کا عرفان اور مشاہدہ حاصل کر لیتا ہے۔عرفانِ نفس میں ترقی کرتا ہوا وہ اپنی معراج یعنی عرفانِ الٰہی کو پالیتا ہے۔یہ اس کی معراجِ روحانی ہوتی ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کی معراجِ جسمانی کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ ترین مقدمہ کا کام دیتی ہے۔اس کے بغیر معراجِ رسول ﷺ کے مرتبہ و مقام کو پہچاننا ناممکن ہے۔پس اگر کوئی معراجِ رسول ﷺ کی عظمت کی جھلک کا متلاشی و مشتاق ہو۔اس کے لیے صوفیاء کے معراج سے متعلق تصورات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔یہاں ہم حضرت داتا گنج بخشؒ کے تصوراتِ معراج ہی پر اکتفا کریں گے۔جن کا ذکر آپ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں جابجا کیا ہے۔

داتا صاحبؒ کا صوفیائے اسلام میں جو مقام ہے۔وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ خواجہ اجمیریؒ اور حضرت گنج شکرؒ آپ کے خوانِ نعمت کے خوشہ چین رہے ہیں۔اور آپ کی کتاب ''کشف المحجوب'' کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ یہ فارسی زبان میں علمِ تصوف پر سب سے پہلی کتاب ہے۔تمام مسائلِ تصوف پر اس میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔تعلیمِ تصوف میں یہ کتاب چونکہ ایک دلیلِ محکم اور سندِ استوار کا درجہ رکھتی ہے۔لہٰذا حضرت داتاؒ کے نظریۂ معراج پر گفتگو کرنا ایک طرح سے صوفیائے اسلام ہی کے نظریات پر گفتگو کرنے کے برابر ہے۔

معراج پر ایمان لانے کے لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خاص نوازشات پر ایمان لانا ضروری ہے۔جو شخص اولیاء اللہؒ کی کرامات اور انبیاء کے معجزات کا منکر ہوگا۔وہ معراجِ

رسول ﷺ کو کسی صورت میں بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ سب کے سب اولیاء ہیں۔ اگر ولایت کرامات سے متصف ہے تو ہر مسلمان سے کرامات کا صدور ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بھی ایمان میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ اگر اصول میں اشتراک ہو تو فروعات میں بھی اشتراک لازم ہوگا۔ وہ اس پر بس نہیں کرتے۔ کرامات کے حصول و اکتساب میں مومن و کافر ہر دو کو ایک نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بلا امتیاز مذہب و ملّت جب کوئی شخص بھوکا ہو یا سفر کا تھکا ماندہ ہو۔ تو پردۂ غیب سے کوئی شخص ظاہر ہونا چاہیے جو اس کے لیے کھانے اور سواری کا انتظام کرے۔ اگر کوئی شخص ایک رات میں دور دراز سفر طے کر سکتا ہے تو وہ رسول کریم ﷺ ہی کیوں ہوں کیوں کہ جب آپ مکّہ کی طرف روانہ ہوئے تو خدا نے فرمایا تھا کہ ''اے پیغمبر!'' اگر یہ جانور تمھارے بوجھ اُٹھا کر نہ لاتے۔ تو تمھارا دشواری کے بغیر مکّہ میں داخل ہونا ناممکن ہوتا۔'' داتا صاحبؒ ان کے اس عقیدہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
''میرا اُن کی خدمت میں یہ جواب ہے کہ تمہارے دلائل بالکل ناکارہ ہیں۔ کیوں کہ خدا خود فرماتا ہے کہ ''پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتوں رات بیت الحرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف لے گئی۔''

معجزات و کرامات خاص ہیں، عام نہیں۔ اگر تمام صحابہؓ کو ایک معجزہ کے ذریعے مکّہ پہنچا دیا جاتا تو یہ ایک عام مثال ہوتی؛ اور اس سے ایمان بالغیب کے جملہ اصولوں پر زد پڑتی۔ ایمان ایک عام اصطلاح ہے۔ جس کا راست کار اور ظالم ہر دو پر برابر کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر ولایت ایک خاص نعمت ہے۔ صحابہؓ کا مکہ کی طرف سفر کرنا قسمِ اوّل میں داخل ہے۔ مگر جہاں تک رسولِ کریم ﷺ کا تعلق ہے یہ واقعہ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں ایک رات میں مکّہ معظمہ سے یروشلم اور وہاں سے قاب قوسین تک لے گیا۔ اور آپ طلوعِ سحر سے پہلے ہی مکّہ میں واپس آ گئے۔ خاص مراعات اور امتیازی اختیارات کا انکار سراسر غیر معقول اور لغو ہے۔ محلِ شاہی میں حاجب بھی ہوتے ہیں۔ جاروب کش بھی اور وزیر بھی۔ اگر چہ بادشاہ کے خادم ہونے میں سب برابر ہیں مگر

مراتب میں مساوی نہیں۔ پس جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تمام مسلمان مساوی ہیں۔ مگر ان میں کچھ فرمانبردار ہیں کچھ حکیم ودانا کچھ متقی وپرہیزگار اور کچھ جاہل۔

معراجِ رسول سے انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معترض آپ کے صحیح مقام سے آشنا نہیں۔ وہ جب تک آپ کو سرورِ کائنات تسلیم نہیں کرے گا۔ اور تمام عالمِ خلق پر ان کی برتری کو نہیں مانے گا؛ اس وقت تک وہ کسی طرح آپ کے معراج کا قائل نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ جو لوگ فرشتہ کو انسان پر ترجیح دیتے ہیں اور جبرئیل کے مقام کو مقامِ رسالت سے بلند وبرتر جانتے ہیں۔ کسی عنوان بھی واقعۂ معراج کی موجودہ صورت پر ایمان نہیں لاسکتے۔ خواجہ ہجویریؒ اس قسم کے معترض کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت جبریل نے ہزاروں برس حق تعالیٰ کی عبادت کی تاکہ اللہ تعالیٰ اُسے خلعتِ فاخرہ سے نوازے۔ یہ اعزاز اُسے معراج کی رات آپ کی عناں برداری اور رکاب داری کی صورت میں عطا کیا گیا۔ جبرائیل بھلا اس شخص سے کیوں کر افضل ہوسکتا ہے جس نے اپنے نفس کو عالمِ سفلی ہی میں فنا کر دیا ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس پر پڑی ہو اور اُس نے اپنے دیدارِ پُرانوار کی دولتِ نایاب سے سرفراز فرمایا ہو؛ اور تمام خیالاتِ ماسواسے آپ کے دل کو منزہ کر دیا ہو۔ جو لوگ معصوم ہیں یا خطا سے محفوظ ہیں وہ جبرائیل ومیکائیل سے بھی افضل ہیں۔ لیکن جو انبیاء کی طرح محفوظ ومامون نہیں ہیں وہ کراماً کاتبین اور حفاظ سے ضرور افضل واعلیٰ ہیں۔

معراج کی رات بیت المقدس اور سات آسمانوں پر انبیاء سے آپ کی ملاقات کا ذکر بھی احادیث میں وارد ہے۔ مگر بعض علماء نے اس سے انکار کیا ہے بلکہ اس کو سِرے سے نظر انداز ہی کر دیا ہے۔ غالباً وہ اس بات کو طے نہیں کر پائے۔ کہ آپ کی انبیاء سے یہ ملاقات اگر روحانی تھی تو ارواحِ مجرّدہ کا دیدار کیسا؟ اور اگر جسمانی تھی تو حشر سے پہلے حشرِ اجساد کے کیا معنی؟ یہ مسئلہ بے حد نازک ہے۔ جب تک روح کی حقیقت سے پُوری طرح آگاہی حاصل نہیں ہوتی اس کا سمجھنا محال ہے۔ انکار کرنے والے کبھی اقرار پر مائل نہیں ہوسکتے۔

خواجہ ہجویریؒ انبیاء کی روحانی ملاقات کے قائل ہیں اور جمہور علما کی طرح ان کے لیے جسم ثابت نہیں کرتے۔ چناں چہ فرماتے ہیں۔ ''روح جسمِ لطیف ہے جو اللہ کے حکم سے متحرک ہے۔ معراج کی رات رسول کریم ﷺ نے آسمانوں میں آدم، یوسف، موسیٰ، ہارون، عیسیٰؑ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ تو یہ ان کی ارواحِ مقدسہ ہی تھیں۔ اگر روح جوہر ہوتی تو خود بہ خود کبھی مشاہدہ میں نہ آتی۔ اس کے ظہور کے لیے جسمِ کثیف کی ضرورت تھی۔ لہٰذا یہ روح جسمِ لطیف رکھتی ہے اور جسمانی ہونے کی صورت میں مشاہدہ میں آسکتی ہے۔ مگر اسے صرف چشمِ دل ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔''

اس بات سے صاف تر واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شبِ معراج میں انبیاء کی ارواح قدسیہ سے جو ملاقات کی اس میں اُنھوں نے انبیاء کو چشم سر سے نہیں دیکھا بلکہ چشم دل سے مشاہدہ کیا ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کی رفتار رسول مقبول کی رفتار سے بھی کہیں تیز تر تھی۔ کیونکہ جب آپ بیت المقدس میں ہوتے ہیں تو انبیاء آپ کی امامت میں نماز ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے فوراً بعد جب آپ عالمِ بالا کو تشریف لے جاتے ہیں تو وہی انبیاء آپ کو آسمانوں پر پہلے ہی سے موجود نظر آتے ہیں۔ اور آپ کے استقبال کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ اس صورت میں ہمیں یا تو بیت المقدس کی ملاقات سے انکار کرنا پڑے گا۔ یا اس ملاقات کو روحانی ملاقات تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔

معراجِ رسول کا سب سے زیادہ حیران کن اور ہوش رُبا منظر قرب و وصول کا منظر ہے۔ علمائے ظاہر نے قرآن و حدیث کے لفظی ترجمہ ہی پر اکتفا کر کے جان چھڑالی ہے اور بہ ظاہر یہ فعل سلامت روی کے زیادہ قریب بھی تھا۔ کیونکہ اس مقام سے ذرا سی بے توجہی میں انسان حلول و اتحاد، شرک و زندقہ کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ علمائے ظاہر کی حیثیت اس مسئلہ میں حلقۂ بیرونِ در کی ہے۔

یہ مقامات سکر و فنا اور صحو و بقا کا خاص مسئلہ ہے۔ اس لیے سالک و عارف کے سوا کوئی ان مسائل پر گفتگو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ قربِ الٰہی کے لیے کیا کیا مقدمات ہیں۔ اس قرب کی کیفیات کی نوعیت کیا ہے اور قرب وصول کے بعد فراق و رجعت کیسی ہے۔ داتا صاحبؒ نے ان مسائل کے جملہ پہلوؤں پر نہایت دل نشین انداز سے بحث کی ہے اور قدم قدم پر اپنے عارفِ کامل ہونے کا پتہ دیا ہے چنانچہ فنا پر بقا اور سکر پر صحو کی فضیلت ثابت کرتے ہوئے آپ نے معراجِ رسول کی بحث کے ساز کو یوں چھیڑا ہے۔ "رسولِ کریم نے درگاہِ خداوندی میں دُعا کی کہ اے رب! مجھے ایشیا کے حقائق سے آگاہ کر۔ کیوں کہ جو شخص ایشیا کو اُن کے اصلی روپ میں دیکھ لے گا؛ سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔ اس قسم کا مشاہدہ اُس وقت تک ٹھیک طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک عارف و سالک مقام صحو میں نہ ہو۔ اہلِ سکر کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام پر بے خودی طاری ہوئی۔ وہ ایک جلوہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور غش کھا کر گر پڑے۔ مگر ہمارے رسول اپنی جگہ قائم رہے اور معراج میں مکہ سے لے کر عرشِ بریں تک کا تمام راستہ بڑھتے ہوئے شعور و سُرور کے ساتھ لگاتار دیکھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ حضرتِ ذوالجلال سے دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔ مگر یہ بقا اور مقام صحو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان فنا کی تمام منازل سے گزر نہ جائے۔

اشیا

دوسرے الفاظ میں یہ بقا بہ اندازۂ فنا ہے۔ عارف جتنا فنا میں کامل ہوگا۔ اتنا ہی بقا میں راسخ اور ثابت ہوگا۔ داتا صاحب اس مسئلہ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔ "وصل و اتحادِ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کے مسلّط ہو جانے کا نام ہے۔ یہاں فنائے تام نصیب ہوتی ہے۔ اس مقام پر بندہ کا اپنا کچھ باقی نہیں رہتا۔ صفاتِ بشری تمام فنا ہو جاتی ہیں۔ کامل سپردگی عمل میں آتی ہے۔ خدا کے مشاہدہ کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ خود کو ایک شے جامد کی طرح محسوس کرتا ہے۔ جس کے تمام اختیارات سلب کر لیے گئے ہوں اس کو کسی چیز کا شعور باقی نہیں رہتا۔ اس کا جسم اسرارِ خداوندی کے لیے لوحِ محفوظ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام اور افعال سے اس کو انصاف و تحقق

پیدا ہوجاتا ہے۔ مگر اس عالمِ بے خودی میں بھی وہ احکام الٰہی کا پابند رہتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت ثابت ہوتی رہے۔ رسول اکرم ﷺ جب مقام قرب میں پہنچے تو آپ کی یہی حالت تھی۔ آپ کی آرزو تھی کہ آپ کا جسم اقدس فنا ہوجائے اور آپ کی شخصیت تحلیل ہوکر اصل میں مل جائے، مگر خدا کو اپنی محبتِ استوار کو قائم رکھنا تھا۔ لہٰذا رسول کریم ﷺ کو اپنی حالت پر قائم رہنے کو کہا۔ اس ارشاد پر آپ میں قوت و استقامت پیدا ہوئی اور اپنی نیستی سے حق تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت بہم پہنچانے لگے۔ ''میں تمھارے جیسا نہیں ہوں۔ میں رات اپنے اللہ کے پاس گزارتا ہوں۔ وہی مجھے کھانے کو دیتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ مجھے اپنے اللہ کے ساتھ ایسے لمحات میسّر آتے ہیں جن میں کسی مقرّب فرشتہ اور نبی مُرسل کو دخل انداز ہونے کی مجال نہیں۔''

ایک اور مقام پر حضرت ابوبکر واسطیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وہ اس کے سوا ہر چیز سے کنارہ کش ہوجاتا ہے بلکہ وہ صم'' بکم'' بن جاتا ہے۔ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ اس کی تمام صفات فنا کی نذر ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب کہ آپ مقامِ غیبت میں تھے۔ فرمایا تھا۔ انا افصح العربُ والعجم، مگر جب خدا کے حضور میں پہنچے تو عرض کرنے لگے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں تیری حمد کیوں کر بیان کروں۔ بارگاہِ خداوندی سے جواب ملا۔ اگر کلام نہیں کریں گے تو میں ضرور کروں گا۔ اگر آپ خود کو میری حمد کے اہل خیال نہیں کرتے تو میں کائنات کو آپ کی نیابت عطا کروں گا۔ تاکہ وہ آپ کی طرف سے اس فریضہ کو ادا کرے۔''

ما زاغ البصر وما طغیٰ کی آیت رسول کریم ﷺ کی حیرت انگیز قوّتِ مشاہدہ کی شاہد ہے۔ آپ کی نظر کی یکسوئی اور یک جہتی کا لاجواب قصیدہ ہے۔ صاحبِ **کشف المحجوب** نے اس کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ''وصل میں انسان کو نشیب و فراز پیش نظر نہیں رہتے۔ وہ تحت و فوق سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہیں کیا۔ چونکہ آپ مقامِ وصل میں تھے اور وصل میں فراق

کی طرف نگاہ نہیں اُٹھ سکتی۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں "یہ سب کچھ آپ کی شدت آرزو کے باعث تھا۔ جب عاشق اپنی نظر مخلوقات سے ہٹالیتا ہے تو لامحالہ چشمِ دل سے اپنے خالق کا دیدار کرتا ہے"

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں "جب حضور دربارِ خداوندی میں تھے تو آدابِ بارگاہ کے لحاظ نے آپ کو اس بات سے روکا کہ آپ عالمِ آخرت کی توجہ فرماتے۔"

مسئلہ رویت یعنی دیدارِ الٰہی ایک اور مسئلہ ہے جو معراجِ رسول ﷺ کی سب سے بڑی کیفیت اور آپ کی قوتِ مشاہدہ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس مسئلہ پر اس کی نزاکت کی وجہ سے صحابہؓ میں شدید اختلاف موجود تھا۔ ایک گروہ رویت سے انکار کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ چشمِ سر سے نظر نہیں کر سکتا [نظر نہیں آ سکتا]۔ اس گروہ کی امام حضرت عائشہؓ ہیں۔ دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو چشمِ سر سے دیکھا۔ اس گروہ کے مقتدا حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ آپ اس نازک مسئلہ پر حضور ہجویریؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

"حضور نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: کہ میں نے شبِ معراج میں خدا کو نہیں دیکھا۔ مگر حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ میں نے خدا کو شبِ معراج میں دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ مگر جہاں حضور نے دیدارِ الٰہی کی تردید کی ہے؛ وہاں چشمِ سر سے دیکھنے سے مراد ہے اور جہاں آپ نے اقرار کیا ہے وہاں آپ کی مراد اسی [ایسے] دیدار سے تھی جو چشمِ دِل سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ حضرتِ عائشہؓ علمائے ظاہر سے تھیں اور حضرت ابن عباسؓ علمائے باطن سے؛ لہٰذا حضور نے ہر ایک سے اس کی بصیرت کے مطابق گفتگو فرمائی۔"

حضرت داتا صاحبؒ کی اس تشریح کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہتا۔ اصل میں اس اقرار در انکارے اور انکار در اقرارے کے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے خواجہ ہجویریؒ ایسے ہی صاحبِ کمال بزرگ کی ضرورت ہے۔

ایں حال نیست صوفی عالی مقام را

قربِ خداوندی اور رویتِ الٰہی کے بعد رجعت واقع ہوتی ہے اور آپ عالمِ خاک کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس رجعت سے یعنی وصل کی فراق سے فراق کی طرف لوٹنے سے آپ کے مقامِ رفیع میں بھی ضرور تغیر و تبدل واقع ہوا ہوگا؛ کیوں کہ وصل اور فصل ہر دو کے احوال یکساں نہیں ہیں۔ لہٰذا عقل آپ ﷺ کے مقام میں زوال کو تسلیم کرنے کی طرف مائل ہے۔ داتا صاحب اس گتھی کو یوں سُلجھاتے ہیں۔

''وصلِ محبوب کو دوری اور نزدیکی ہر دو صورتوں میں حاصل ہوسکتا ہے [کیا جا سکتا ہے] مگر شرط یہ ہے کہ اس کا یہ فعل محبوب کی منشا و رضا کے عین مطابق ہو''۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ حضور رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا: ''میری راحت نماز میں ہے'' کیوں کہ ایک مستقل مزاج شخص کے لیے نماز سامانِ نشاط ہے جب رسول کریم اللہ تعالیٰ کے قرب میں پہنچے تو آپ کی روح پاک حدوث کی زنجیروں سے آزاد ہوگئی؛ اور روح کو تمام مقامات اور درجات کا کوئی شعور باقی نہ رہا۔ آپ کی ذاتی قوتیں اور اختیارات ختم ہوگئے۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں گذارش کی کہ الٰہی مجھے پھر عالمِ ناسوت کی طرف نہ لوٹا۔ دوبارہ طبیعت اور نفس کے قبضہ میں نہ ڈال۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ دنیا میں احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے کے لیے واپس جائیں۔ جو کچھ آپ کو یہاں ملا ہے وہاں بھی ملتا رہے گا۔'' چناں چہ جب آپ واپس ہوئے تو کبھی کبھی جب اُس مقامِ بلند کی یاد آپ کو بے قرار کر دیتی تھی تو فرمایا کرتے۔ ''بلال! ہمیں اذان سے راحت پہنچاؤ۔'' ہر نماز آپ کے لیے معراج کا حکم رکھتی تھی اور اس میں آپ کو تازہ قربِ خداوندی نصیب ہوتا تھا۔

سراج السالکین ۔درگاہِ نیازِ بے نیاز کا ایک مجموعۂ ملفوظات

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

(۱)

سراج السالکین (حالات، ملفوظات و کرامات) شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں ()
کے احوال گرامی اور ملفوظاتِ عالیہ کا مجموعہ ہے(۱)۔اس مجموعۂ ملفوظات اور احوال کے مرتب اور جامع مولوی شاہ قطب الدین نیازی ہیں۔انھوں نے درگاہِ نیازِ بے نیاز کے دوسرے سجادہ نشین شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں کے احوال، ملفوظات اور کرامات کو اس کتابِ مستطاب کا موضوع بنایا۔شاہ محی الدین احمد ۱۹۔ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ/۱۸۸۵ء کو بریلی میں متولد ہوئے۔ قرآنِ کریم مولوی عبیداللہ بدخشانی سے پڑھا۔فنِ قرأت کی تعلیم میر جواد سے حاصل کی۔علمِ صرف مولوی عبدالباری شیر کوٹی اور علمِ نحو مولوی علی احمد بریلوی سے سیکھا۔دورۂ تفسیر اور حدیث مولوی ہدایت علی کی نگرانی میں مکمل کیا۔اپنے والدِ گرامی شاہ نظام الدین (م۱۳۲۲ھ) کے دست گرفتہ تھے۔ فتوحاتِ مکیہ ، فصوص الحکم ، فتوح الغیب ، شمس العین اور مرآۃ الحقیقت اپنے والدِ ماجد سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔۱۳۰۲ھ کو جانشین مقرر ہوئے۔۱۷ سال کی عمر میں رشتۂ ازدواج میں بندھ گئے۔ایک بیٹی پیدا ہوئی۔جب ان کی عمر اکیس سال ہوئی تو بیوی کا انتقال ہو گیا۔اس کے بعد مجرد زندگی گزاری۔اپنے نواسے شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں کو اپنا سجادہ نشین مقرر کیا۔ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو رحلت فرمائی اور خانقاہِ شاہ نیاز احمد بریلوی میں آسودۂ خاک ہوئے۔

مولوی شاہ قطب الدین نیازی نے سراج السالکین کے عنوان سے ان کے احوال اور ملفوظات میں جو کتاب مرتب کی،اس کے تیسرے باب (ص۸۰ تا ص۱۱۱۔ مشتمل بر ۳۱ صفحات) میں ان کی ۳۵ مجالس کے ملفوظات جمع کیے گئے۔پہلی بار یہ کتاب ۱۹۳۴ء،جبکہ دوسری بار ۱۹۷۴ء میں

☆ صدرِ شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شائع ہوئی۔اس کا تیسرا ایڈیشن ۲۰۰۳ء میں نیاز یہ اکیڈمی خواجہ قطب بریلی شریف کے زیرِ اہتمام اشاعت آشنا ہوا۔صفحات کی تعداد ۱۶۷ ہے۔

(۲)

سراج السالکین میں مرتبہ ان ملفوظات کا بنیادی اور اساسی موضوع وحدۃ الوجود ہے، جو اس خانوادے کی خاص پہچان رہا ہے۔اس کتاب میں ہر مجلس کے فرمودات کو ارشاد کے عنوان سے موسوم کیا گیا۔ان ملفوظات میں بیسیوں اشعار بھی سپردِ قلم ہوئے۔کتنے ہی شعر معارف اور عرفان کی تعبیر اور تفہیم میں سامعین کی سماعتوں کی نذر ہوئے اور کتنے ہی شعروں کی وضاحت کے لیے کئی مجالس کا انعقاد ہوا۔ان ملفوظات پر صوفیۂ متقدمین کے ارشادات کا رنگ اور اثر بہت گہرا اور نمایاں ہے۔ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

> ''ایک شخص خانقاہ میں حاضر ہوا۔بعد قدم بوسی کے اس نے عرض کی کہ میں سفر میں جانا چاہتا ہوں۔میری مدد فرمائی جائے۔فرمایا: سفر میں تم کو کیا مدد دے سکتا ہوں؟ اگر تم مددگار چاہتے ہو تو خدا کو اپنا مددگار سمجھو اور اگر ساتھی چاہتے ہو تو کراماً کاتبین تمھارے ساتھ ہر وقت موجود ہیں۔اگر عبرت چاہتے ہو تو دنیا کافی ہے۔اگر مونس چاہتے ہو تو قرآن کافی ہے اور اگر کچھ کام کرنا چاہتے ہو تو عبادت اور یادِ خدا کافی ہے اور اگر پند و نصیحت چاہتے ہو تو موت کافی ہے۔اگر تم اس میں سے کچھ نہیں چاہتے ہو تو تم جانو اور تمھارا کام۔''(۲)

اب تذکرۃ الاولیاء کا یہ اقتباس دیکھیے:

"نقل است که کسی به سفر خواست رفت. حاتم را گفت:'مرا وصیتی کن.' گفت:'اگر یار خواهی، تورا خدای عزوجل یار بس و اگر همراه خواهی، کرام الکاتبین بس و اگر عبرت خواهی، دنیا بس و اگر مونس خواهی، قرآن بس و اگر کار خواهی، عبادتِ خدا بس و اگر

وعظ خواهی، مرگ بس و اگر این که یاد کردم تو را
بسنده نیست، دوزخ تو را بس۔"(۳)

(۳)

ملفوظات نگاری کا آغاز چشتی صوفیہ کی بابرکت اور پُر انوار خانقاہوں میں ہوا۔اس سلسلے کا پہلا محفوظ اور معلوم مجموعہ انیس الارواح ہے، جو خواجہ عثمان ہرونی (م ۶۱۷ھ) کے ملفوظات گرامی پر مشتمل ہے۔اس خوش آثار مجموعے کے مرتب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نوازؒ (م ۶۲۸ھ) ہیں، جنھوں نے اپنے شیخ کی عرش مقام مجالس کی فکری اور معنوی روداد کو قلمبند کر کے ان کی گل افشانیِ گفتار کے مناظر کو متشکل کیا۔ان کے بعد اس صنفِ نگارش کے مختلف اور متنوع نمونے معرضِ اظہار میں آئے اور اسے اس سلسلے کی خانقاہوں میں بہت اہمیت حاصل رہی اور آج بھی ان کی خوشبوئے دلنواز سے عرفان اور معرفت کی دنیا معطر ہے۔

سراج السالکین بیسویں صدی کے ابتدائی ملفوظاتی مجموعوں میں سے ایک نہایت ہی اہم مجموعہ ہے۔جنوبی ایشیا میں ملفوظات نگاری کا جو سلسلہ، انیس الارواح سے آغاز ہوا تھا، وہ بیسویں صدی کے ربع اول تک فارسی زبان میں جاری وساری رہا۔اس صدی کے آغاز کے ساتھ ہی چشتی خانقاہوں میں ملفوظات نگاری کی عکس اندازی اردو زبان میں ہونے لگی اور یہ مجموعہ اردو زبان میں مرتب ہونے والے ابتدائی مجموعوں میں سے ایک ہے۔

حوالے:

(۱) سراج السالکین (حالات، ملفوظات و کرامات): مولوی شاہ قطب الدین نیازی (مرتب): نیازیہ اکیڈمی خواجہ قطب، بریلی شریف: بار سوم ۲۰۰۲ء۔
(۲) سراج السالکین: ص ۸۱۔
(۳) تذکرۃ الاولیاء: شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری / دکتر محمد استعلامی (بررسی، تصحیح متن، توضیحات و فہارس): انتشارات زوار، تہران: چاپ چہارم زمستان ۱۳۶۳: ص ۲۹۹۔

☆☆☆☆☆

''تصوف وطریقت کے مبلغ'' حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ

پروفیسر فاروق فیصل تونسوی ☆

فرشتوں کی نہ پریوں کی نہ کوہ قاف کی باتیں
زمانے کا تقاضا ہے کریں اسلاف کی باتیں

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے۔تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے فلاں بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو بھی اسے محبوب بنا،تو حضرت جبریلؑ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر آسمان سے ندا کی جاتی ہے۔کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فلاں بندے کو محبوب بنالیا ہے؛ پھر زمین والوں میں اسے مقبول بنایا جاتا ہے۔

یقیناً یہی وہ ہستیاں ہیں جو مقبول ومحترم ہیں۔جن کے قدم سے جہاں آباد ہے۔جن کے باطن کی مقناطیسیت اور روحانیت کی کشش دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔جن کے مزارِ پرانوار پر قیامت تک فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری رہے گا۔

کرم نواز کرم گستر و کرم پرور
کریم کی طرح جن کے کرم کا ہے معیار
وہ جن کے دامنِ رحمت سے آلپٹنے پر
گناہ گار کو ملتا ہے مامتا کا پیار

☆ استاد شعبۂ اُردو، صادق پبلک سکول، بہاولپور

وہ نُور خطِ حسین و جمیل خامۂ حق

وہ جن کے آج بھی نازاں ہے، جس پر خود فن

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر پور روحانیت کا مرکز بنا تو عارف حق یہاں پر حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ نے قیام فرما کر فریضۂ تبلیغ ادا کیا۔ اسلام کا پھر سہرا بلند کیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے چراغ روشن کیے۔ عشق مصطفیٰ ﷺ کا رنگ سینوں میں بھرا۔ ان کا کوئی عمل قرآن وحدیث سے باہر نہ تھا۔ وہ ولایت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ، سرکار مدینہ کی نظر رحمت، پیرو مرشد حضرت خواجہ محمد جمال ملتانیؒ کی توجہ اور بزرگانِ دین کے فیض کا نتیجہ تھا۔ کہ ان کے دستِ حق پرست پر بے شمار لوگوں نے بیعت کی اور سلسلۂ چشتیہ میں شامل ہو کر سلوک کی اعلیٰ منازل طے کیں۔ اس حوالے سے حاجی نجم الدین سلیمانی مناقب المحبوبین میں لکھتے ہیں۔

> "خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ سے صدہا انسانوں نے فیض حاصل کیا صاحب موصوف اولیائے کاملین میں سے تھے اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے آپ نے حضرت حافظ محمد جمالؒ کے اکثر دوستوں کی تربیت کی"۔

جس ہستی نے اپنے پیرو مرشد کے دوستوں کی تربیت کی ہو۔ اس کے مقام و مرتبہ پہ مجھ جیسا کم فہم کیا کہہ سکتا ہے۔ وہ تو تصوف و طریقت کے مبلغ تھے۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ:۔

اعمال کا مخزن ہے نہ حرفوں کا ہنر ہے

حاضر تیری درگاہ میں اِک دیدۂ تر ہے

ہوجائے نظر خواجہ ، تو پھر کیا نہیں ممکن

دامانِ دل وجاں میں نظر ہے نہ خبر ہے

حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ نے برس ہا برس راہِ حق کے متلاشیوں کی رہنمائی فرمائی۔ علم کے پیاسوں کو سیراب کیا۔ طریقۂ چشتیہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ کے روحانی جانشین اور وارث بن کر مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی کے مطابق تقسیم کیا۔ اپنے خونِ جگر سے ویرانۂ ہستی کو چمن زار بنایا۔ مرکزِ روحانیت کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا کر ایثار کو فروغ دیا۔ بقول استاد رشید انجم

ایثار ہے عشق و محبت کا دریچہ
اخلاص کے دریا میں اُترنے کا سلیقہ
نفرت کے تلاطم میں محبت کا سفینہ
کردار کا آغاز اخوت کا نتیجہ
توریت کی تفسیر ہے، انجیل کا انداز
ایثار کی آواز ہے قرآن کی آواز

حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ نے جو امن و آشتی اور اخوت و ایثار کی شمع روشن کی تھی؛ وہ آج بھی روشن ہے اور قیامت تک روشن رہے گی۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے اخلاقِ کریمانہ اور اوصافِ حمیدہ پر عمل کیا جائے۔ کیوں کہ اولیائے کرام کے کردار و اخلاص میں ایسی قوت پنہاں ہے جس سے پتھروں کو موم بنایا جا سکتا ہے۔ سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کیا جا سکتا ہے۔ شوریدہ سر سمندروں کو پُرسکون بنایا جا سکتا ہے۔ اندھیروں میں روشنی کی نقیب لگائی جا سکتی ہے۔ جانی دشمنوں کو دوست بنایا جا سکتا ہے۔ دہشت گردی کی آگ کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے اور غیر کو خیر کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اولیائے کرام کی دینی، روحانی اور ملی خدمات کا اعتراف، ان کا بار بار ذکر اور ان کی تعلیمات کو عام کرنا ہم سب کا اخلاقی فریضہ اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ نے جس دور میں آنکھ کھولی اس وقت برصغیر کے

حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ کہیں بھی حکومت کو استحکام حاصل نہ تھا۔ ہر طرف بے یقینی کی کیفیت تھی ۔عیار انگریز مقامی نااتفاقیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پاؤں مستحکم کر رہے تھے۔ مسلمان سخت آزمائش سے دوچار تھے مگر اس کے باوجود آپ نے اپنے علم و فضل، وعظ و خطابت اور پند و نصائح سے لوگوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ یوں آپ روحانی اقدار و روایات کی ایک مضبوط بنیاد ہیں۔ آپؒ کی روشن تعلیمات کو اہل حق نے اس طرح قبول کیا جس طرح ایک تشنہ لب مسافر تازہ پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لیتا ہے۔ آج بھی اولیائے کرام کے ذکر کی محفلوں میں بیٹھ کر لوگوں کو طمانیت نصیب ہوتی ہے۔ اگر ہم ان کی تعلیمات کو اپنا لیں اور ان کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم دین و دنیا میں کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

☆☆☆☆☆

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمِ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمِ

[علامہ بوصیریؒ]

اُردو ترجمہ:

ذی سَلَم کے یاد آئے ہیں تجھے ہمسائے کیا؟
کِس لیے ہے آنسوؤں میں خون شامل ہو گیا؟

[ڈاکٹر مہر عبدالحق]

مثنوی مولانا رُوم میں تعلق بالرسول ﷺ کی چند جھلکیاں

افتخار احمد حافظ قادری ☆

قافلہ سالارِ عشق حضرت مولانا جلال الدین رُومیؒ نے مثنوی شریف جسے آگے چل کر ''ہست قرآں درزبانِ پہلوی'' کا مبارک خطاب ملا، میں نبی کریم ﷺ سے تعلق اور آپ کی صفت وثنا اور تکریم وستائش کے لیے کوئی مستقل باب تو قائم نہیں کیا؛ لیکن اس عظیم ومشہور زمانہ کتاب میں جگہ جگہ حضور سید المرسلین ﷺ کے ذکرِ جمیل کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ جن میں آپ ﷺ کی دنیوی واخروی حیاتِ طیبہ طاہرہ کے تمام پہلوؤں کا ذکر بھر پور انداز میں موجود ہے۔ جو در حقیقت نعتِ رسول ﷺ اور حضرت مولانا رُوم کے تعلق بالرسول ﷺ کا واضح ثبوت ہے۔

ایک مقام پر حضرت رُومی، سرکارِ دو عالم سرکار ﷺ کو اس طرح یاد فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو اس کائنات کی رُوح وجان ہیں اور اس کے ماتھے کا نُور اور جھومر ہیں اور آپ ہی وہ عظیم اور بہترین شخصیت ہیں کہ جو روزِ محشر گناہ گاروں اور مجرموں کی شفاعت فرمائیں گے۔

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں
مہتر و بہتر شفیع مجرماں

حضرت مولانا جلال الدین رُومیؒ نے اپنی مثنوی شریف میں سرکارِ مدینہ ﷺ کو انسانِ کامل کا بہترین نمونہ قرار دینے کے ساتھ آپ ﷺ کو سر حلقہ انبیاء اور قُطب آفرینش کا مرکز قرار دیا ہے۔ سفرِ معراج شریف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا رُوم فرماتے ہیں کہ یہ سفرِ مبارک ایک ایسی دعوت تھی کہ جس میں کسی غیر کا گُزر ممکن نہ تھا، احادیث نبویہ میں اس دعوت کو واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ''لی مع اللہ وقت ، لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل'' حضرت مولانا رُوم مثنوی شریف میں اس دعوت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

☆ بغدادی ہاؤس۔ افشاں کالونی، راولپنڈی کینٹ

لی مع اللہ وقت بود آں دم مرا
لا یسع فیہ نبی مجتبیٰ

عاشق ہمیشہ اسی فکر میں سرگرداں رہتا ہے کہ وہ کسی طرح اپنے معشوق کے ہمراہ کچھ لمحے بسر کرے اور پھر اُن لحات کو اپنی زندگی کے بہترین لحات قرار دیتا ہے۔ معراج شریف کا دوسرا اہم موضوع فرشتۂ ملکوتی پر انسان کی برتری وفضیلت ہے؛ جس کو حضرت مولانا رُوم مثنوی شریف میں نہایت دِل کش وخوبصورت انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

چوں معلم بود عقلش ز ابتداء
بعد ازیں شُد عقل شاگردی ورا
عقل چُوں جبرئیل گوید احمدا
گر یکی گامی نہم سوزد مرا
تو مرا بہ گزار زیں پس پیش راں
حد من ایں بود اے سلطانِ جاں

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے شبِ معراج سات آسمانوں تک آقائے دو عالم ﷺ کی ہم راہی اختیار کرنے کے بعد فرمایا کہ اے محمد ﷺ اب اس سے ایک قدم بھی آگے جانا میرے لیے ممکن نہیں اور اگر میں ذرہ بھر بھی آگے بڑھا تو میرے بال و پر جل جائیں گے، لہٰذا مجھے اس مقام پر چھوڑتے ہوئے آپ خود آگے قدم بڑھائیں کیونکہ اے سلطانِ جاں اس جگہ میری حد ختم ہوگئی ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی مقامِ عشق میں انسانِ کامل کو اس عروج و بلندی تک رسائی حاصل کرنے کے لائق سمجھتے ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ کی اس درخواست کے بعد سرکارِ مدینہ

ﷺ آگے کا سفر تنہا طے کرنے کے بعد عرشِ الٰہی اور فلک الافلاک تک پہنچ گئے۔ یعنی یہ معراج کی عظمت اور علامت نہیں تو اور کیا ہے کہ جسمِ خاکی عشق کی وجہ سے انتہائی بلندی تک پہنچ گیا۔

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شُد
کوہ در رقص آمد و چالاک شُد

حدیثِ قُدسی "لولاک لما خلقت الا فلاک" کو بھی حضرت مولانا رُوم نے مثنوی شریف میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

عشق بشگافد فلک را پاک جفت
بہرِ عشق او خُدا "لولاک" گُفت
منتہی در عشق، چوں او بُود فرد
پس مرا او ز انبیا تخصیص کرد

سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ عشق کا اٹوٹ رشتہ ہے اور عشق کی وجہ سے ہی خالقِ کائنات نے "لولاک" فرمایا، چونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس عشق کی دنیا میں منفرد اور تنہا ہے، اس وجہ سے خُداوندِ قدوس نے جملہ انبیاؤ رُسل میں سے اُن کا انتخاب فرمایا۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے یہ جہاں تسبیح وتقدیس میں ہمہ تن غرق ومصروف ہے۔ اور یہ عظیم شخصیت ہیں کہ جو دونوں جہانوں میں شفاعت کرنے والے ہیں۔

ہم چناں کہ ایں جہاں پیشِ نبی
غرق تسبیح است و پیشِ ما غبی

او شفیع است ایں جہان وآں جہاں

این جہاں زی دین و آں جا زی جناں

حضرت مولانا رُوم نبی اکرم ﷺ سے اپنے عقیدے اور طرزِ فکر کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کا شاہی سکہ ابد تک باقی اور جاری وساری رہنے والا ہے۔ حضرت مولانا کا یہ نظریہ جُملہ انبیاء پر رسول ﷺ کی عظمت وفضیلت کی واضح دلیل ہے۔

سکۂ شاہاں ہمی گردد دِگر

سکہ احمد بہ بیں تا مستقر

ترجمہ: دنیوی سکوں سے بادشاہوں کے نام ہٹادیے جاتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کا سکہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ عاشقِ خُداوند تعالیٰ ہونے کے ساتھ معشوقِ خلائق بھی ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومی نے مثنوی شریف اور غزلیاتِ شمس میں "ستون حنانہ" کا کئی بار ذکر فرمایا ہے۔ مسجدِ نبوی شریف کا یہ ستون اپنے معشوق رسول ﷺ کے فراق میں عاشقوں کی طرح حضرت مولانا رُوم کی زبانی اس طرح گریہ کیا کرتا تھا۔

استنِ حنانہ از ہجرِ رسول

نالہ می زد ہم چوں اربابِ عقول

ترجمہ: ستونِ حنانہ نے رسول اللہ ﷺ کے فِراق میں صاحبِ عقول لوگوں کی طرح گریہ وزاری شروع کردی۔

نسائی کی ایک روایت کے مطابق درخت کے اُس تنے سے اُس اونٹنی کی طرح آواز آتی تھی جس کا بچہ گم ہوگیا تھا۔ یہ درخت کا تنا بعد میں اُستنِ حنانہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک دوسرے مقام پر حضرت مولانا رُوم اس عاشقِ دلبر کا ماجرا اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

پیش تو استونِ مسجد مردہ ای است

پیش احمد عاشقِ دلبردہ ای است

ترجمہ: یعنی تمھاری نظر میں تو مسجد کا یہ ستون ایک بے جان اور مردہ چیز تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں وہ ایک دلبر عاشق تھا۔

قارئین کرام! ہمارے سردار و پیشوا اور شفیع دو جہاں ﷺ ہی معشوق اعظم ہیں کہ جن کے عشاق یہ نہ چاہتے تھے کہ اُن کے وضو مبارک کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے بلکہ اُسے بطور تبرک اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔ یہ وہ معشوق خلائق ہیں کہ جن پر درود و سلام کی صداؤں سے آج بھی ہر مجلس معطر و منور ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

☆☆☆☆☆

آج اور کل

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

[حضرت مولانا محمد احمد الدین مکھڈیؒ]

علامہ حافظ محمد اسلم

ابتدائی حالات:۔

حضرت مولانا محمد احمد الدین بن حضرت مولانا غلام محی الدین احمد بن میاں محمد بن حافظ میاں محمد محسن بن مولانا ابراہیم کے ہاں ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء کو مکھڈ شریف میں پیدا ہوئے۔آپ کے دو بھائی مولانا محمد الدینؒ [م ۱۹۷۵ء] اور مولانا غلام زین الدینؒ [م ۱۹۷۸ء] بھی اپنے وقت کے جید علماو مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔

تعلیم:

حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی حضرت مولانا غلام محی الدین [م ۱۹۲۰ء]، چچا محترم حضرت مولانا شمس الدین مکھڈیؒ [م ۱۹۱۲ء] اور حضرت مولانا غلام محمود پپلانوی سے حاصل کی۔مزید حصول تعلیم کے لیے آپ نے علامہ ذوالفقار صاحب کے ساتھ کاٹھی واڑ انڈیا، گجرات کا سفر کیا۔آپ کا حافظہ خوب تھا۔آپ نے بڑی عمر میں تمام علوم کی تکمیل کے بعد قرآن شریف صرف چھ ماہ میں حفظ کیا تھا۔ایک عرصے تک آپ نے ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح میں قرآن کی تلاوت کی۔آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں خانقاہی امور کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے دارلعلوم کو بھی خوب رونق بخشی۔تذکرۂ محی الدین میں مولانا سردار حسن لکھتے ہیں کہ مکھڈ شریف ضلع اٹک میں حضرت مولانا میاں احمد الدینؒ کے زیر اہتمام چلنے والا مدرسہ برصغیر کے مشہور اور معروف علمی مراکز میں شمار ہوتا تھا۔اور بڑے بڑے جید علما

☆ صدر مدرس درسِ نظامی، خانقاہ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔تحصیل جنڈ [اٹک]

مدرسین اسی مدرسہ میں پڑھانے کو باعثِ افتخار سمجھتے تھے۔ نیز مولانا سید غلام محی الدین سلطان پوری مکھڈ دارلعلوم کے متعلق فرماتے۔ مکھڈ شریف تعلیم وتدریس و مہتمم مدرسہ حضرت مولانا احمد الدین کی شفقت طلباء کے ساتھ بہت اعلیٰ اور بلند پایہ تھی۔ حتیٰ کہ آپ طلباء کے لیے کھانا از خود گھر سے لاتے تھے۔

معمولاتِ زندگی:

آپ کے مرید خاص مولوی غلام محی الدین [پ-۱۹۱۴ء] بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب رات کو آرام بہت مختصر فرماتے۔ صبح نماز باجماعت اور اشراق وچاشت کے بعد طلبا کو اسباق پڑھاتے۔ اسباق پڑھانے کے بعد کتب خانہ میں تشریف فرما ہوتے۔ مہمان اور عقیدت مند حضرات سے ملاقات یہیں ہوتی۔ بڑے اہتمام کے ساتھ کتب کا مطالعہ فرماتے۔ آپ کو ایسا ملکہ حاصل تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے شرح عقائد کا کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے بمعہ صفحہ وحاشیہ کے بیان کر دیا۔ ذوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا؛ فرماتے کہ کتب خانہ میں علوم وفنون پر کوئی ایسی کتاب نہیں جو میرے زیرِ مطالعہ نہ رہی ہو۔ کسی مسئلہ کا جواب بغیر کتاب دیکھے نہ عطا فرماتے۔

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ایک مرد ایک وقت میں چار شادیاں کر سکتا ہے اور عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ حضرت صاحب کے پاس اُس وقت کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ آپ نے سائل کو فرمایا: اگرچہ اس سوال کا جواب کتبِ فقہ سے تو متعدد لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن عقلی جواب یہ ہے کہ اگر مرد کی طرح عورت بھی ایک وقت چار خاوند رکھ لے، تو بچہ کس کی طرف منسوب ہوگا۔ آپ کے اس جواب سے سائل بالکل خاموش ہو گیا۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں بھی شامل رہے۔ مولوی غلام محی الدینؒ کے بہ قول جب محمد علی جناح گورنر بنے تو آپ کو بھی اپنی کابینہ میں شمولیت کے لیے پیش کش کی۔ لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔

آپ نے اپنے بھائی صاحبان اور دیگر علما و مشائخ مولانا گل شیرؒ ملہوالی [جنڈ۔اٹک] صاحبزادگان کوٹ چاندنہ شریف [ضلع میانوالی] اور مولانا بگویؒ [بھیرہ۔سرگودھا] سے مل کر فوجِ محمدی کی بنیاد رکھی۔علاوہ ازیں اُس دور کی مذہبی و سیاسی جماعتوں میں بھی آپ نے شرکت فرمائی۔دراصل آپ ہر اُس جماعت کے ساتھ عملی طور پر جدوجہد میں شامل رہے جو یہود و نصاریٰ کی سرکوبی کے لیے میدان عمل میں اُترتی۔

کشف و کرامات:

مولوی غلام محی الدین زید مجدہ مریدِ خاص مولانا محمد احمد الدین مکھڈیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم تین، ہم سبق مولانا فضل الدینؒ اور مولوی تاج الدینؒ منکوری اور میں حضرت مولانا احمد الدینؒ کے پاس" قصیدہ امالیہ" پڑھتے تو مولوی تاج الدین منکوری بہ وجوہ مکھڈ شریف سے سلسلہ ٔ تعلیم منقطع کر کے جامعہ نعمانیہ لاہور چلے گئے۔ جب وہاں سالانہ امتحان شروع ہوا تو مولوی صاحب بہت پریشان ہوئے کہ میں جامعہ میں سال کے آخر میں داخل ہوا۔موجود طلبا نے ممکن ہے جو کتب پڑھی ہیں وہ میں نے نہ پڑھی ہوں اور کہیں ممتحن مجھے فیل نہ کر دے۔خدا کے فضل و کرم سے رات خواب میں مولانا احمد الدینؒ تشریف لائے اور حکم فرمایا کہ" قصیدہ امالیہ" کے فلاں فلاں اشعار اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔امتحان لیتے وقت وہی اشعار ممتحن نے بھی پوچھے۔صحیح جواب دینے پر مولوی صاحب مذکور اس سال جامعہ نعمانیہ میں اول پوزیشن آئے تھے۔

اس طرح آپ کی مشہور کرامت کہ آپ ایک دفعہ موضع تراپ جمعہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔کچھ عرصہ قبل وہاں کسی کی گاڑی نالہ ٔ سواں میں ڈوب گئی تھی۔مالکان نے بہت دوڑ دھوپ کی؛ لیکن کوئی سُراغ نہ ملا۔آخر تھک ہار کر مکھڈ شریف آئے اور کہا ہم یہ گاڑی لنگر مکھڈ شریف کے نام کرتے ہیں۔اگر مل جائے تو ہمارا کوئی حق نہ ہوگا۔دورانِ تقریر کسی نے گاڑی کی بازیابی کے لیے دُعا کی درخواست کی۔آپ نے بعد از دُعا موجودہ لوگوں سے فرمایا: کہ جب ان کی گاڑی برآمد ہو تو آپ تمام لوگوں نے تعاون کرنا ہے۔کچھ لوگوں نے بہ طورِ تمسخر کہا کہ اب گاڑی

کہاں مل سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے فضل سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ کے فضل سے گاڑی کو سواں کے ایک تیز ریلے خشکی پر پھینک دیا۔ اس وقت دربار شریف میں درس و تدریس کے لیے مولانا عبدالحی قریشی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہم بمع چند طلبا وہاں پہنچ گئے۔ اہلِ تراپ نے گاڑی نکالنے کے لیے بہت سے آدمی جمع کیے ہوئے تھے۔ مولانا محمد احمد الدینؒ اٹک تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو گاڑی کو سواں سے نکالا گیا۔

مولوی غلام محی الدین صاحب کے بہ قول کہ ہم ایک مرتبہ ریل گاڑی پر سوار تھے۔ جب گاڑی جنڈ اسٹیشن پر پہنچی۔ تو ہمیں کسی نے بتایا کہ یہ گاڑی انجرا اسٹیشن پر نہیں رکتی۔ میں نے حضرت سے عرض کی۔ آپ میری بات سن کر خاموشی سے سکون کے ساتھ بیٹھے رہے۔ جب گاڑی انجرا اسٹیشن سے آگے نکلنے گئی تو اچانک گاڑی کے آخری چند ڈبے ٹوٹ گئے۔ ہم بھی آخری ڈبہ میں سوار تھے۔ تاہم ہم وہاں گاڑی سے باہر آئے اور پیدل نالہ مکھڈ کے رستے مکھڈ شریف حاضر ہوئے۔

مولوی صاحب مذکور اپنے پیر و مرشد کے بعد از وصال عطائے بے بہا کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ مجھے بہت سخت بخار ہوا۔ کافی علاج معالجے کے باوجود کوئی شفا نہ ہوئی۔ ایک بار رات خواب میں حضرت صاحب تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تعویز تھا۔ مجھے حکم فرمایا: کہ یہ تعویز آپ کے لیے سرورِ دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ سے خصوصی طور پر لایا ہوں۔ اس کو باندھ لو! جب میں نے وہ تعویز باندھ لیا صبح جب آنکھ کھلی تو بخار کے آثار ہی نہ تھے۔'' اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کو حضور علیہ السلام کی حضوری حاصل تھی۔

آپ کے جسم کے دو یا متعدد ٹکڑے ہو کر مختلف اجزا میں تقسیم ہو جانے کے کئی واقعات مختلف پیر بھائیوں سے سننے میں آئے ہیں۔ بعض لوگ آج بھی موجود ہیں جنھوں نے اس منظر کو بہ چشمِ خود دیکھا ہے۔

کرامات ولی اللہ کی ولایت کو ثابت نہیں کرتیں۔ اہم چیز استقامتِ فی الدین ہے جو

حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ میں علی وجہ الاتم موجود تھی ۔آپ نماز، روزہ اور دیگر احکام شریعہ کے پابند تھے۔

ایک دفعہ آپ کسی مرید کے گھر تشریف فرما تھے ۔نماز کا وقت ہوا تو صاحبِ خانہ نے آپ سے عرض کی ؛حضور آپ نماز گھر میں ادا کرلیں بارش تیز ہے ۔مسجد تک جانا دشوار ہوگا ۔آپ نے فرمایا: اگر نماز گھر میں پڑھنی ہوتی تو پھر مساجد کو کیوں تعمیر کیا ہے ۔اُن کو منہدم کردو۔آپ کی سیرت اُدْخُلُوفِی السِّلْمِ کَآفَّہ کی کامل تصویر تھی۔

مولوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نمازِ عصر مجھ سے قضا ہوگئی ۔رات خواب میں تشریف فرما ہوئے ۔فرمایا: غلام محی الدین تو نے نمازِ عصر کیوں قضا کی؟ اور فوراً قضا نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا ۔میری ایک رکعت جماعت سے رہ گئی تو آپ نے مجھے سخت ڈانٹ فرمائی کہ جب نماز کا وقت ہو تو کام ترک کردیا کرو۔نماز باجماعت ادا کیا کرو۔

خدمتِ خلق:۔

مولوی غلام محی الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت وظائف کرتے ضرور تھے ؛لیکن عوام سے پوشیدہ ۔آپ زیادہ تر خدمتِ خلق پر زور دیتے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا فتح الدین سجادہ نشین خانقاہِ معلٰی نے بیان فرمایا: کہ مجھے دادا حضور ایک دن مخاطب کر کے فرمانے لگے ۔مخلوقِ خدا کی خدمت میں کوشش کرو! کیوں کہ یہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں دکھلاوہ کم ہوتا ہے ۔جب کہ دیگر عبادات میں اکثر دکھلاوے کا شبہ ہوتا ہے۔

تصوف بہ جز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح وسجاد و دلق نیست

آپ بیانات میں اکثر یہود و نصاریٰ کی غلط پالیسیوں کے خلاف آواز اُٹھاتے اور ان کے ظلم و بربریت کے واقعات سے عوام الناس کو خوابِ غفلت سے جگانے کی کوشش فرماتے۔ آپ فرماتے کہ جبہ و خانقاہ اور مدارس والے حضرات صرف تسبیح اور مصلیٰ چھوڑ کر تدریس کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں۔ اس وقت تک ان کو زوال نہیں آسکتا جب تک خدمتِ دین کا یہ فریضہ سر انجام دیتے رہیں۔

راقم کو حکیم کرم داد خان مرحوم نے بتایا تھا۔ جب آپ سخت علیل تھے تو میں آپ کے علاج معالجہ کے لیے ہر روز زیارت شریف پر حاضری دیتا تھا۔ جب آپ بہت کمزور ہو گئے تو ایک دن میں آپ کے پاس موجود تھا اور آپ کے تمام صاحبزادگان بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے صاحبزادگان کو فرمایا: دیکھو میرے ہاتھ میں چابیاں ہیں۔ جب تک یہ ایک دھاگے میں جمع ہیں یہ بکھر نہیں سکتیں۔ لیکن جب یہ دھاگے سے نکل جائیں تو ان کی مضبوطی ختم ہو جائے گی۔ حکیم صاحب فرماتے کہ حضرت صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحبزادگان کو فرمایا کہ یہ تمھارا چوتھا بھائی ہے۔ لہٰذا اس کا بھی خیال رکھنا۔

آپ کی بارگاہ میں جو حضرات حاضر ہوئے آپ ان کے لیے خود گھر سے کھانا لاتے بلکہ بعض دفعہ کسی مہمان کو جلدی ہوتی تو آپ خود اپنے ہاتھ سے کوئی چیز تیار کر کے مہمان کے لیے پیش کر دیتے۔ گویا آپ سید القوم خادمہم کا نمونہ تھے۔

ایک مرتبہ آپ موضع تراپ کی ایک ڈھوک پر قیام پذیر تھے۔ جب نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہوئے تو مسجد میں پانی کا مٹکا خالی تھا۔ آپ نے نوافل سے قبل مٹکا اور جتنے لوٹے موجود تھے پانی سے بھر دیئے اور بعد میں نوافل ادا فرمائے۔ جب نمازی حضرات صبح کی نماز کے لیے حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مٹکا بمع لوٹوں کے پانی سے بھرا پڑا ہے۔ جب ایک دوسرے سے استفسار کیا کہ رات کو تو یہ تمام خالی تھے۔ اب نماز سے پہلے نا معلوم کس نے بھر دیئے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب نے نمازیوں کی سہولت کے لیے رات کے وقت قریب کے تالاب

سے پانی بھرا ہے۔ حضرت کو معلوم نہ تھا تالاب کا پانی کسی شرعی عذر کی وجہ سے پاک نہ تھا۔ یہ بات صرف اہلِ ڈھوک کو معلوم تھی۔ حضرت اس بات سے آگاہ نہ تھے۔ آپ نے تورات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ صرف خدمتِ خلق کے جذبہ سے تالاب سے مٹکا اور مسجد کے لوٹے پانی سے بھر دیے تاکہ لوگوں کو آسانی رہے۔

مستجاب الدعوات:۔

آپ ولایت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ آپ کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت کا درجہ رکھتی۔ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے عرض کی حضور کے دربار میں بارش کے لیے دُعا فرمائیں۔ آپ حالتِ سفر میں تھے۔ آپ نے عرض کنندہ سے کہا کہ میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا ہے۔ کپڑے لاؤ۔ اُس نے کپڑوں کا جوڑا پیش کیا تو آپ نے سفر میں ہی دعا فرمائی۔ بارش شروع ہوگئی۔

یوں ہی مولوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مکھڈ بازار میں بھولا خان نامی ایک دکاندار تھا۔ آپ اس کے پاس گاہے بہ گاہے تشریف لے جاتے۔ ایک دن آپ نے بھولا خان سے دریافت کیا کہ عبدالرحمٰن (یہ مکھڈ شریف میں قوم کمہار سے تھا۔ اور آپ کا مرید تھا) کی قبر کون سی ہے۔ اُس نے آپ کو عبدالرحمٰن کی قبر بتائی۔ حضرت صاحب نے وہاں جا کر دُعا کی۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کی قبر کے متصل کسی شیعہ کی قبر تھی۔ اس کو عذاب قبر ہوتا تو عبدالرحمٰن کو بھی اس کی چیخ و پکار سے تکلیف ہوتی۔ دو دن کے بعد بھولا خان کے پاس کریم بخش پراچہ نے جا کر وہی سوال کیا کہ مجھے عبدالرحمٰن کی قبر بتاؤ۔ بھولا خان نے کہا کوئی خاص بات ہے۔ چند دن قبل مولانا محمد احمد الدین تشریف لائے تھے۔ انھوں نے بھی اس کی قبر کا پوچھا اور آپ بھی پوچھ رہے ہیں۔ بات کیا ہے۔ تب کریم بخش پراچہ نے بتایا کہ عبدالرحمٰن رات میری خواب میں آیا تھا۔ اُس نے گزشتہ تمام ماجرا بیان کیا۔ عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا کہ جب سے مولانا محمد احمد الدینؒ نے میری قبر پر تشریف لا کر دعا کی تو اب مجھے قبر جوار کے عذاب سے تکلیف نہیں ہوتی۔

اعلاء اسلام کے لیے جدو جہد:۔

حضرت صاحب حکمرانِ وقت کے طور وطریقہ سے سخت نالاں تھے خصوصاً فرنگیوں کی چال بازیوں سے۔ آزادی اور اسلام کے خلاف اندرونی سازشوں سے آپ کا دل ہر وقت پریشان رہتا۔ آپ فرماتے کہ مسلمانوں پر یہود ونصاریٰ کا ظلم وستم مجھے ہمیشہ گراں گزرتا ہے۔ آپ اسی بے قراری کے عالم میں شب بھر جاگتے رہتے۔ کبھی دریا کی طرف اور کبھی شہرِ مکھڈ کی طرف گشت فرماتے۔ ہر وقت اسلام کی سربلندی کے لیے اللہ کے حضور سر بہ سجود رہتے۔ جب طاغوتی قوتوں نے اسلام کے خلاف زور پکڑا تو آپ نے اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کے لیے عملی طور پر جہاد میں حصہ لیا۔ آپ نے افغانستان کی طرف پیدل سفر فرمایا۔ اس سفر میں عبید اللہ سندھی بھی آپ کے ہم سفر تھے۔

حضرت مولانا فتح الدین زید مجدہ فرماتے ہیں کہ دادا حضور اپنے سفرِ افغانستان کے بارے میں فرماتے تھے کہ راستے میں اتنے بلند تر پہاڑوں سے ہمیں گزرنا پڑتا اور ان کی بلندی اس نوعیت کی تھی کہ چوٹی تک پہنچنے میں شام ہو جاتی اور رات قیام وہاں ہی کرنا پڑتا۔ صبح جب روشنی پھیلتی تو دوبارہ سفر شروع ہوتا تھا۔ آپ کی ملاقات اُس وقت کے صدرِ افغانستان امیر امان اللہ سے بھی ہوئی۔ حضرت صاحب بیان فرماتے کہ ایک دن نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے امیر امان اللہ اپنے محافظ سپاہیوں سمیت مسجد میں آیا۔ تمام سپاہیوں نے سروں پر سبز ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ نماز سے پہلے انھوں نے وہ اُتار دیں تو نیچے سفید ٹوپیاں موجود تھیں۔ امیر امان اللہ نے خود جمعہ کا خطبہ دیا اور امامت بھی خود ہی کرائی۔ اس منظر کو دیکھ کر حضرت صاحب کی آنکھوں کے سامنے صحابہ کرامؓ کے زمانے کا نقشہ گھوم گیا۔ نماز کے بعد حضرت صاحب بے اختیار امیر امان اللہ سے لپیٹ کر زار وقطار رونے لگ گئے۔ جب آپ کے والدِ گرامی مولانا غلام محی الدین کا وصال ہوا تو اُس وقت آپ افغانستان میں ہی تشریف فرما تھے۔ کسی تاجر پراچہ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ فوراً آبائی گاؤں مکھڈ شریف تشریف لائے۔ اور خانقاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ اور درس گاہ کی خدمت پر

مامور ہوئے۔ یہ ۱۹۲۰ء کے دورانیے کی بات ہے۔

فیض یافتہ گان:۔

یوں تو آپ سے لاتعداد مخلوقِ خدا نے علوم ظاہری اور باطنی سے استفادہ کیا۔ لیکن چند حضرات جو مخصوص اور منفرد تھی۔ اُن میں سے آپ کے لختِ جگر عمدۃ الفاضلین حضرت مولانا محمد فضل الدینؒ مکھڈی اور یادِ اسلاف مولوی غلام محی الدین مدظلہ العالی جو ۱۹۲۹ء سے مکھڈ شریف میں علوم دین کے حصول کے لیے تشریف لائے؛ اور پھر انھیں اپنے شیخ کی محبت نے واپس نہ جانے دیا۔ آج بھی جب اپنے شیخ کریم کا ذکر خیر کرتے ہیں تو آپ کی کیفیت سے اپنے شیخ کے ساتھ عشق و محبت کا انداز قابلِ دید ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ کے شاگردوں میں سے ایک معروف شخصیت حافظ سعد اللہ ہیں؛ جن کے آباؤ اجداد سون سکیسر (ضلع خوشاب) سے نقل مکانی کر کے مکھڈ شریف میں آباد ہوئے۔ اور بعد ازاں سگھر میں مقیم ہوئے۔ حافظ سعد اللہ نے قرآنِ مجید تھوہا محرم خان [تلہ گنگ] میں حضرت مولانا حافظ میاں اولیاء سے حفظ کیا۔ بعد میں موضع تراپ (تحصیل جنڈ۔ اٹک) میں قاری نور حسین قریشی سے تجوید کا فن سیکھا۔ کتبِ درسیہ کی تعلیم حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی سے مکھڈ شریف میں حاصل کی۔

مولوی تاج الدین منکوری بھی آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ ابتداً آپ کا ذکرِ خیر تعلیمی حوالہ سے ہو چکا ہے۔

وصال مبارک:۔

آپ کا وصال مبارک ۳۔ جمادی الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۔ جولائی ۱۹۶۹ء کو مکھڈ شریف میں ہوا۔ دو دفعہ آپؒ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ پہلی بار آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد الدینؒ مکھڈی کی امامت میں ادا کی گئی۔ دوسری نماز جنازہ آپؒ کے پوتے حضرت مولانا فتح الدین مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ آپ وصال کے وقت حضرت قبلۂ عالم کے بستی مہار شریف

[چشتیاں۔ بہاولنگر] میں تشریف فرما تھے۔ اپنے دادا حضور کے وصال کی خبر پہنچنے پر واپس تشریف لائے۔ جو حضرات جنازہ میں نہ پہنچ پائے تھے وہ اس بار آپؒ کے ساتھ جنازہ میں شریک ہوئے۔

آپؒ کا مزار مبارک حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے آستانہ پر مرجع خلائق ہے۔ روضہ انور کے سامنے والے برآمدے کے شرقی جانب۔ لوح مزار پر قطعہ تاریخ وصال یوں درج ہے۔

اسم پاکش بود احمد دیں بود او شیخ وقت
گفت ہاتف حامدی بے گماں بہشت رفت
۱۳۸۹ھ

وا دریغا حسرتا از دیدہ خوں آمد بیروں
کرد وصلت آں مولائے وقت از دنیائے دوں

روز شنبہ بہ وقتِ عصر آں یکتائے دہر
سوم از ماہِ جمادی الاوّلین الشہر شہر

ماخذ ومراجع

مولانا گل شیر سوانح وخدمات، محمد عمر فاروق، بخاری اکیڈمی، ملتان، ۱۹۹۲ء
تذکرۂ محی الدین سلطان پوری، مرتب: سردار حسن، ناشر: علماء ضیاء العلوم، راولپنڈی
حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ، محمد ساجد نظامی، قندیل سلیماں ۴ [جولائی تا ستمبر ۲۰۱۴ء]، نظامیہ دارالاشاعت مکھڈ شریف، اٹک،
مولوی غلام محی الدین مرید خاص [حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ] سے گفتگو

☆☆☆☆☆

انوار الکریمین

پروفیسر محمد انور بابر☆

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں ۔بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں۔بادشاہت تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

مرد ہو یا عورت جب عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے احرام میں داخل ہو جائے گا۔

عورت کا احرام:۔

خواتین کا احرام ان کا اپنا لباس ہے۔وہ چہرہ [پیشانی سے ٹھوری تک، داہنے کان کی لَو سے بائیں کان کی لَو تک] کھلا رکھیں ۔ہاتھ پنجوں تک اور شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے تک رکھیں۔یہی ان کا احرام ہے۔

اگر عورت کے خاص ایام ہوں تو وہ نماز پڑھے بغیر ہی عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے۔اس طرح وہ احرام میں داخل ہو جائے گی۔البتہ اُس وقت تک طواف شروع نہ کرے جب تک پاک نہ ہو جائے۔اگر ماہواری کی حالت میں مکہ مکرمہ پہنچ گئی اور عمرہ کا احرام پہلے سے باندھ رکھا تھا تو پاک ہونے کا انتظار کرے۔جب پاک ہو جائے تو غسل کر کے عمرہ کا طواف کرے اور سعی کرے اور سب کام انجام دے۔

عمرہ کے فرائض:

عمرہ میں چار کام کرنے ضروری ہوتے ہیں۔

۱۔ میقات سے عمرہ کا احرام باندھنا۔یعنی عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنا۔

۲۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف کرنا۔

☆ پروفیسر، (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت

۳۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

۴۔ حلق یا قصر: یعنی سعی سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈھوانا یا کٹوانا۔

۵۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز واجب الطواف ادا کرنا۔ [اگر رش ہو تو حرم کعبہ میں جہاں جگہ ملے ادا کر لیں۔]

۶۔ آب زم زم پینا اور ملتزم پر دُعا کرنا بھی لوازمات عمرہ سے ہیں۔

دیدارِ کعبہ کی پہلی دُعا:۔

عرفائے ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک آنکھ نہ جھپکے جو دعا کی جائے یقیناً قبول ہوتی ہے۔ انسان کی ہزارہا خواہشات ہوتی ہیں۔ وہ فطرتی طور پر دین و دنیا اور عاقبت کی ساری نعمتیں سمیٹنا چاہتا ہے اور آنکھ جھپکنے کے اتنے کم عرصہ میں کسی ایک، دو اشیا کا انتخاب اور طلب مشکل ہوتی ہے۔ اللہ اللہ اس موقع پر دُعا کے ڈھنگ بتانے بتانے والوں نے کیا دعا بتائی ہے۔ کہ صدہا دعاؤں سے بے نیاز کر دیا اور یہ مشکل مرحلہ ؒ اُس امام نے آسان کر دیا۔ جن کو دنیا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نام سے جانتی ہے؛ اور جن کی شان یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نصف قرآن پڑھتے اور اور پھر پاؤں بدل کر دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر پورا کلام پاک مکمل کرتے۔ اور پھر بھی فرماتے۔ اے اللہ! اے ربِ کعبہ! میں تیری بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ حضرت امام جعفر صادقؓ سے آپ نے اکتسابِ فیض کیا۔ اہلِ بیتِ اطہار کی صحبت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور جامِ شہادت نوش کیا۔ یہی امام موصوف فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف پر پہلی نظر پڑتے ہی یہ دعائیں مانگیں۔

اے ربِ کعبہ! مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ یعنی جب بھی اور جہاں بھی دُعا مانگوں قبول ہوتی رہے۔ مجھ رُوسیاہ، گناہ گار نے بھی یہی عرض کی۔ کہ اے بارالٰہ اپنے پیارے حبیب محمدِ عربی ﷺ کے طفیل مجھے بھی مستجاب الدعوات بنا دے؛ اور ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ دوست اور دشمن

کسی کے حق میں میری بددعا قبول نہ کرنا۔ کیوں کہ انسان کمزور ہے۔ وہ وقتی طور پر جذبات سے مغلوب ہو کر منہ سے کیا کیا نکال دیتا ہے اور پھر پشیمان ہوتا ہے باری تعالیٰ میرے ناکارہ وجود کو اپنی مخلوق کے لیے کارآمد بنا دے؛ اور میری ذات سے کسی بھی اپنے بے گانے کو اذیت اور نقصان نہ پہنچے۔

عجیب دل مجھے انورؔ خدا نے بخشا ہے
جو دشمنوں کو بھی اکثر دعائیں دیتا ہے

اور اب سوچتا ہوں کہ میں نے دُعا کیوں نہ مانگی کہ یاربِّ عالم! جتنے بھی عازمین حج آئے ہوئے ہیں یا آ رہے ہیں۔ سب کو مستجاب الدعوات بنا دے۔ ان کی نجات اور بخشش فرما۔

منظرِ کعبہ:۔

''علی پور کا ایلی'' اور ''الکھ نگری'' کے مصنف اور ممتاز ادیب ''ممتاز مفتی'' جب پہلی بار بیت اللہ شریف آئے تو انہوں نے کعبہ معظمہ کو دیکھ کر کہا۔

''میرے اللہ کی نرالی شان ہے اُس نے اپنے کوٹھے کی تعمیر اس قدر منفرد کرائی جس میں نہ کوئی ڈھب ہے نہ ڈھنگ۔ اس میں جاذبیت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ زائر کی نگائیں اس پر ایک حد تک مرکوز ہو جاتی ہیں کہ عظیم الشان مسجد، خوب صورت اور پُر ہیبت دیواریں، عظیم الشان محرابیں نگاہ میں ہیچ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور وہ کالا بے ڈھنگا کوٹھا اُبھرتا ہے، ابھرا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ تمام کائنات اس کی اوٹ میں آ جاتی ہے''

[لبیک، ص ۲۱]

یہ تو ہر ایک کا اپنا اپنا حسنِ نظر ہے۔ مفتی صاحب موصوف کی کج نگاہی نے مرکزِ کائنات، سرچشمۂ تجلیات، کعبہ معظمہ کو سیاہ بے ڈھنگے کوٹھے کے رُوپ میں پایا، دیکھا۔ جب کہ اربابِ بصیرت عشق کی بالغ نظری کا انداز اور ہے۔ عارف کامل فقیر حضرت بیدمؔ وارثیؒ کی کالے رنگ والے غلاف کعبہ پر نگاہ پڑی تو رب کعبہ کا دیدار ہو گیا اور عالمِ وجد میں جھوم کر بے ساختہ کر فرمایا:

اس پردے میں پوشیدہ لیلائے دو عالم ہے
بے وجہ نہیں بیدؔم کعبہ کی سیاہ پوشی

ریاض خیرآبادی کے عرفانِ بصیرت نے اسے بڑے داتا کے گھر کے روپ میں دیکھا۔

سنتے آئے ہیں کہ کعبہ ہے بڑے داتا کا گھر ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

اس مقام پر عجز و انکسار کا تقاضا یہی ہے کہ غالب کا مسلک اختیار کیا جائے۔ بے جا لب کشائی سے گریز کیا جائے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

مجھ سے ناکارہ نے بھی اللہ کے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر سلامِ عقیدت پیش کرنے کی جسارت کی۔

مرحبا کہ "لاالہ" والے اِلٰہ تک آگئے
اللہ اللہ ! دیکھئے بندے خدا تک آگئے
سامنے ہے خانہ کعبہ رُو بہ رُو نقشِ خلیلؑ
تشنگانِ معرفت آبِ بقا تک آگئے
سیدّہ و طاہرہ مخدومہ بی بی حاجرہؑ
تیرے قدموں سے چلے حق کی رضا تک آگئے
ہر قدم تیرا نشانِ عظمت صدق و صفا
مجھ سے ناکارہ کمتر پُر خطا بے آبرو
حجرِ اسود ملتزم کی بوسہ گاہ تک آگئے

معانقہ:۔

مطاف میں آئے تو جناب رسالت مآب ﷺ کے طریقہ کے مطابق ملتزم پر سینہ رکھ کراور اِدھر اُدھر کعبہ شریف پر ہاتھ پھیلا کر اُس سے گلے ملا۔ سینہ میں ایک سرمدی ٹھنڈک محسوس کی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بڑے داتا کے عرش محل کو کن الفاظ میں سلام عقیدت پیش کروں۔ آج جبیں کو جبیں سائی پر ناز تھا۔ جو سجدے صدیوں سے سجدہ ریزی کو مچل رہے تھے۔ آج ان سجدوں کو باریابی کا یقین تھا۔ زبان تو خاموش تھی لیکن رگ وجاں کی ہر دھڑکن عقیدتوں کے اظہار کی پیام بر تھی۔

آج سجدوں کی انتہا کردوں
شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

کعبہ! تیری رفعت کو سلام کہ تو مرادِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

کعبہ! تیری عظمت کو سلام کہ امام الناس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارکہ نے تجھے شرف بخشا۔

کعبہ! تیری سطوت کو سلام کہ صفا، مروہ تیرے سامنے سرنگوں ہیں۔ اوران کے سینے اماں حاجرہ سلام اللہ علیہا کے قدموں کی برکتوں سے فیضاب ہیں۔

کعبہ! تیری طہارت کو سلام کہ تُو پائے اسمٰعیل علیہ السلام کے چشمۂ زم زم سے سیراب ہے۔

کعبہ! تیرے تقدس کو سلام کہ ربِّ مصطفیٰ ﷺ نے تجھے ''بیت اللہ'' قرار دیا۔

کعبہ معظمہ تاریخ کے آئینہ میں:۔

کعبہ عربی میں ٹخنے کو بھی کہتے ہیں چونکہ کعبہ شریف کی جسامت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ٹخنے کے برابر ہے۔ اس لیے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ سیّدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے بیت اللہ شریف کو پانی کے چار ستونوں پر کھڑا

کیا۔ جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھی۔ پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلادی گئی۔

[تفسیر قرطبی، جلد۲، ص۸۳۰]

جدید تحقیق کے مطابق آثارِ کائنات کی تخلیق سے تیس لاکھ سال بعد ظاہر ہوئے۔ اس سے پہلے کائنات کا سارا نظام منجمد اور بے حرکت تھا۔ کعبہ معظمہ کی پیدائش تو تخلیقِ کائنات سے بھی پہلے کی ہے کہ اللہ کا یہ گھر محورِ کائنات ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ . .

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا راہ نما۔ [ال عمران، ۹۶، ص۴۷]

زمین کی ناف:۔

ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ رُوئے زمین کے وسط میں واقع ہے اور یہ زمین کی ناف ہے۔ اس لیے اسے ''ام القریٰ'' (شہروں کی ماں) کہا جاتا ہے اور یہ بیت المعمور کا سایہ ہے۔ [تفسیر کبیر]

بیت المعمور:۔

یہ اصلاً کعبہ ہے حق تعالیٰ کے حکم پر فرشتوں نے جنت سے ایک سرخ یاقوتی خیمہ لاکر اسی مقام پر نصب کیا۔ اس کے شرقاً غرباً دل کو موہ لینے والے سبز زمرد کے بنے ہوئے دو دروازے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پیادہ سفر کر کے چالیس مرتبہ حج ادا کیا۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت اللہ تعالیٰ نے اُسے چوتھے آسمان پر اُٹھالیا۔ اور وہاں ملائکہ کا قبلہ قرار دیا۔ یہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں مگر جو ایک دفعہ داخل ہوا؛ دوبارہ قیامت تک اسے داخل ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور یہ کعبہ شریف کے بالکل محاذرت میں واقع ہے۔ طوفانِ نوح کے بعد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جنتی یاقوتی خیمہ کی بنیادوں پر دوبارہ تعمیرِ نو کی۔

[بہ حوالہ تفسیر کبیر، جلد اول، ص۴۷۴ / کشاف۔ جلد اول، ص:۲۳۳/ مصنف عبدالرزاق]

دنیا بھر کی مساجد کعبہ معظمہ کا عکس ہیں:۔

ہر مسجد کو اللہ کے گھر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ جب حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہاتھوں کعبہ شریف کی تعمیر نو مکمل ہوئی۔ اور ارد گرد تعمیر سے بچے ہوئے پتھر رہ گئے؛ تو خداوندِ عالم نے ایک ہوا بھیجی جوان کو اُڑا کر لے گئی۔ پس جو پتھر جہاں گرا وہاں خانہ خدا بنا۔ چھوٹے کنکر گرنے کی جگہ پر مسجد اور ذرا بڑے پتھر گرنے کے مقام پر جامع مسجد تیار ہوئی اور اس طرح تا حشر مساجد بنتی رہیں گی۔

[نزہت المجالس، ص ۳۶۶]

دنیا کا دل:۔

علامہ طاہر گردی فرماتے ہیں "مکہ مکرمہ" دنیا کا دل ہے جو زمین کے وسط میں واقع ہے اور کعبہ شریف اس نقطہ کی مانند ہے جو کسی دائرہ کے وسط میں ہوتا ہے۔

[ابن جریر]

مکہ معظمہ کے محلے:۔

خلافتِ عثمانیہ میں محلّوں کی تعداد اور تفصیلات الشیخ رفعت پاشا وائسرائے مصر نے حسبِ ذیل بیان کی ہیں۔ صرف محلّہ جات کے اسمائے مبارکہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ جرول ۲۔ مسفلہ ۳۔ جیاد
۴۔ خنشاشیہ ۵۔ الغزہ ۶۔ شعب بن عامر
۷۔ الشامیہ ۸۔ القرارہ ۹۔ السلیمانیہ
۱۰۔ رحلہ

علامہ طاہر گردی کی تحقیق کے مطابق دوسرے ممالک سے مسلمانوں کی بڑی تعداد میں مکہ معظمہ میں آباد ہونے کی بدولت محلّوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ چناں چہ ۱۳۸۵ھ میں یہ تعداد ۲۶ تک پہنچ گئی۔ اب اس میں مزید اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ [نزہت المجالس، ۳۶۶]

دیارِ حبیب میں پہلی رات:۔

بہ ہر حال عمرہ کی تکمیل کے بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں بیت اللہ شریف میں ادا کیں۔اور دیارِ حبیب کی پہلی رات اپنی رہائش گاہ واقع محلہ جرول میں گزاری۔

حرم پاک میں پہلی صبح:۔

اگلے روز ذیقعدہ کی چھٹی اور اپریل کی ۸ تاریخ تھی۔علی الصبح حرم شریف میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔اللہ اللہ! زہے نصیب۔ پہلی بار حجرِ اسود کے بوسہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔جو روحانی لذت اور باطنی سرور ملا نا قابلِ بیان ہے۔

بظاہر تو یہ ایک سیاہ پتھر ہے لیکن سبحان اللہ۔۔۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔کیسے کیسے محبوبوں نے اس کے بوسے لیے ہیں۔۔انبیائے کرام، اغواث، اقطاب، ابدال، اوتار اور لا تعداد اولیائے کرام نے یہاں حاضری دی ہے۔اور ان سب سے بڑھ کر خود حبیبِ کردگار احمد مختار ﷺ سے اس نے خیرات پائی ہے۔حضرت فاروقِ اعظمؓ جب ''حجرِ اسودؔ'' کے سامنے آتے ہیں تو فرماتے ہیں۔اے حجرِ اسود! میں جانتا ہوں تو ایک سیاہ پتھر ہے لیکن میں ترے بوسے اس لیے لیتا ہوں کہ محبوب ربِ کائنات سید المرسلین والآخرین ﷺ نے اس کے بوسے لیے ہیں۔

''حجرِ اسودؔ'' احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں:۔

حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ''حجرِ اسود جب جنت سے نازل ہوا تھا تو دودھ کی طرح سفید تھا۔اس کو بنی آدم کی خطاؤں نے سیاہ کر دیا''

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حجرِ اسود خدا کا یمین یعنی داہنا ہاتھ ہے۔اس سے اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے۔یمین ''یمن'' سے مشتق ہے جس کے معنی ''برکت'' کے ہیں۔اور لوگ اسے چھو کر برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

''سیدنا عبداللہ بن عباسؓ حضور کریم ﷺ کے ارشاد مبارکہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حجرِ اسود زمین پر اللہ کریم کا ہاتھ ہے جس سے اللہ پاک اپنے بندوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔

دنیا میں جس نے خلوصِ نیت سے اس کا استلام کیا تو قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ حجرِ اسود کے قریب مسلمان اللہ کریم سے جو مانگے گا وہ حاصل کرے گا۔

حجرِ اسود کا وصف:۔

اس عظیم ولمرتبت پتھر کا یہ حیرت انگیز وصف ہے کہ یہ نہ تو پانی میں ڈوبتا ہے اور نہ آگ میں گرم ہوتا ہے۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حجرِ اسود کو فنا نہیں۔ کیوں کہ جنت کا پتھر ہے اور جنت کی چیزیں لافانی ہیں۔

مقام ملتزم:۔

بیت اللہ شریف کے دروازہ مبارک اور حجرِ اسود والے گوشہ کے درمیان والی دیوار کی ملتزم کہتے ہیں۔ یہاں لپٹ کر اور رُو رُو کر دعائیں کرنا مسنون ہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے اس مقام پر کھڑے ہو کر اپنا سینہ اور رُخسار دیوار سے چمٹائے۔ دونوں بازو اور ہاتھ دیوار کعبہ پر پھیلا دئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ اور آپ ﷺ سے سنا ہے کہ اس جگہ جو دُعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ایک شخص نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں چاقو کا تحفہ پیش کیا۔ شیخ نے وہ چاقو اس کو واپس دے دیا اور فرمایا کہ میرے پاس چھری مت لاؤ۔ سوئی لاؤ کہ چھری کاٹنے (اور جدا کرنے) کا آلہ ہے اور سوئی جوڑنے کا آلہ ہے۔

پیغامِ اقبال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

آوازِ غیب

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے
کھویا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک!
کس طرح ہُوا کُند ترا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
تُو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شُعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک
اب تک ہے رواں گرچہ لہُو تیری رگوں میں
نَے گرمیٔ افکار، نہ اندیشۂ بے باک
روشن تو وہ ہوتی ہے، جہاں بیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگۂ پاک
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کُشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری!

[ارمغانِ حجاز]

☆☆☆☆☆

اوقاتِ نماز کی حکمتیں

علامہ بدیع الزمان سعید نورسیؒ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِینَ تُمْسُونَ وَحِینَ تُصْبِحُونَ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِینَ تُظْهِرُونَ﴾(۱)

میرے بھائی! آپ نے مجھ سے نماز کو خصوصی طور پر ان پانچ معین وقتوں میں ادا کرنے کی حکمت کے بارے میں پوچھا ہے، اس لیے ہم اس ضمن میں پائی جانے والی کافی ساری حکمتوں میں سے صرف ایک حکمت کی طرف اشارہ کریں گے۔

جی ہاں! ہر نماز کا وقت جس طرح ایک بہت بڑے اور اہم انقلاب کا آغاز ہے، اسی طرح وہ بہت بڑے الٰہی تصرف کا آئینہ ہے، جس میں اس خاص وقت میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں منعکس ہوتی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات میں نماز کا حکم دیا ہے، یعنی یہ حکم ہے کہ اس ذوالجلال والاکرام کی زیادہ سے زیادہ تسبیح اور تعظیم بیان کی جائے، اور اس کی انعام کردہ بے شمار نعمتوں پر اس کی تعریف کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔ یہ عمیق، دقیق اور لطیف معنی سمجھنے کے لیے میرے ساتھ ان پانچ نکات میں غور کرنا چاہیے۔

پہلا نکتہ:

"صلوٰۃ" کا مطلب ہے اللہ کی تسبیح، تعظیم اور اس کا شکر ادا کرنا، یعنی "سبحان اللہ" کہہ کر اس کے جلال کے مقابلے میں اپنے قول اور عمل کے ذریعے اس کی تقدیس یعنی پاکیزگی بیان کرنا اور "اللہ اکبر" کہہ کر اس کے کمال کے سامنے اپنے قول اور عمل کے

ساتھ اس کی تعظیم بیان کرنا، اور " الحمد لله " کہہ کر اس کے جمال کے مقابلے میں اپنے دل، زبان اور تمام جسم کے ساتھ اس کا شکر ادا کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز میں تسبیح، تکبیر اور تحمید یعنی سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہنے کی وہی حیثیت ہے جو کسی درخت کے لیے ایک بیج کی ہوتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ یہ تینوں کلمات نماز کی تمام حرکات و سکنات اور اذکار میں پائے جاتے ہیں، اور اسی بنا پر یہ تینوں پاکیزہ کلمات نماز کے بعد تینتیس (33) بار دہرائے جاتے ہیں تاکہ نماز کا مفہوم بہ طورِ تاکید مزید ذہنوں میں گھر کر جائے۔ کیونکہ ان مجمل اور مختصر کلمات کے ذریعے نماز کے معنی و مطلب اور اس کے اصل مغز کی تاکید ہوتی ہے۔

دوسرا نکتہ:

"عبادت" کا مطلب ہے کہ بندے کا خالص محبت، انتہائی احترام اور والہانہ پن سے حضرتِ الٰہیہ میں اس کے کمالِ ربوبیت، قدرتِ صمدانیہ اور رحمتِ الٰہیہ کو سامنے رکھتے ہوئے، اپنے دل میں اپنی کمی کوتاہی، عاجزی لاچاری اور اپنے فقر و انکسار کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا ماتھا ٹیک دینا۔

جی ہاں! جس طرح ربوبیت کا اقتدار بندگی اور اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے، اسی طرح ربوبیت کی قدسیّت اور پاکیزگی بھی اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ بندہ ___ کمی کوتاہی سے استغفار کرتا ہوا ___ اعلان کرے کہ اس کا پروردگار کسی بھی نقص اور خامی سے پاک ہے، اور وہ تمام اہلِ ضلالت کے تمام باطل افکار سے بہت بلند ہے، وہ کائنات میں پائی جانے والی تمام کمیوں اور خامیوں سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ یہ اعلان یہ کہہ کر کرے کہ: "سبحان الله".

پھر ربوبیت کی قدرتِ کاملہ اسی طرح بندے سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ بندہ اس کی پناہ

میں آئے۔اور اپنی انتہائی کمزوری اور مخلوقات کی عاجزی اور لاچاری کا مشاہدہ کرتا ہوا اس پر توکل کرے اور قدرتِ صمدانیہ کے آثار کی عظمت کے سامنے پوری محبت، شیفتگی، فریفتگی، احترام اور تعظیم وتکریم کے جذبات سے مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ رکوع کو جاتا ہوا بے ساختہ پکار اٹھے "اللہ اکبر"۔

پھر ربوبیت کی رحمتِ واسعہ اسی طرح بندے سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ بندہ اپنی اور تمام مخلوقات کی خاص حاجات، اور اِس فقر وعجز کا اظہار سوال اور دعا کے انداز میں کرے ، اور اپنے پروردگار کے عمومی احسانات اور بے پایاں نعمتوں کا اعلان شکر اور حمد وثنا کے ساتھ یہ کہہ کر کرے کہ: "الحمد للہ"۔

مطلب یہ ہے کہ نماز کے اقوال وافعال ان معانی پر مشتمل ہیں، اور انہی معانی کے اظہار کے لیے نماز کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے۔

تیسرا نکتہ:

جس طرح انسان اس عالمِ کبیر یعنی کائنات کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے، اور جس طرح سورۂ الفاتحہ قرآنِ کریم کا ایک درخشاں نمونہ ہے، بالکل اسی طرح نماز تمام عبادات کی ایک تابناک جامع ترین فہرست ہے، اور ایک مقدس اور عالی مقام نقشہ ہے جو ہر مخلوق کی عبادت کے انداز اور طریق کار کا اشارہ دیتا ہے۔

چوتھا نکتہ:

گھڑی کی وہ سوئیاں جو سیکنڈ، منٹ، گھنٹے اور دِن گنتی ہیں، ان میں ہر سوئی دوسری کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور ہر ایک ان میں سے دوسری کا حکم لے لیتی ہے۔یعنی چھوٹی اور بڑی دونوں سویوں سے گھنٹے بھی بنتے ہیں، منٹ بھی اور سیکنڈ بھی۔

اسی طرح یہ دنیا، جو کہ ایک الٰہی گھڑیال ہے، اس کی مثال بھی ایسے ہی ہے؛ کیونکہ

رات دن کی گردش جو کہ ایک گھنٹے کے سیکنڈوں کی طرح ہے، سال جو کہ منٹ شمار کرتے ہیں، انسانی عمر کے مراحل جو کہ گھنٹے شمار کرتے ہیں، اور کائنات کی عمر کے ادوار جو کہ ایام شمار کرتے ہیں، یہ تمام کے تمام مراحل ایک دوسرے کے ہم صورت، مشابہ اور ہم شکل ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی یاددلاتا ہے اور اس کا حکم لیتا ہے، مثال کے طور پر:

فجر کا وقت:

طلوعِ آفتاب تک، آغازِ بہار کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور اس کی آمد کی یاددلاتا ہے۔ اور انسان کی رحمِ مادر میں آمد کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اور تخلیقِ کائنات کے چھ ادوار میں سے پہلے دور کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے یہ وقت انسان کی توجہ ان اوقات سے تعلق رکھنے والے عظیم الشان الٰہی امور و احوال کی طرف مبذول کراتا ہے۔

ظہر کا وقت:

موسم گرما کے آدھے گزر جانے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ عنفوانِ شباب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور دنیا کی عمر میں انسان کی پیدائش کے دور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور ان اوقات میں رحمت کی جو تجلیات اور نعمت کے جو فیوضات ہیں ان کی یاددلاتا ہے۔

عصر کا وقت:

موسمِ خزاں بڑھاپے کے دور اور دورِ سعادت یعنی خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام کے پرُ سعادت دور کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اور اُس دور میں الٰہی شئوون واحوال، ربانی حالات و معاملات اور رحمانی برکات و احسانات کی جو برکھا ہوتی تھی، اس کی یادتازہ کرتا ہے۔

مغرب کا وقت:

یہ وقت انتہائے خزاں میں اکثر مخلوقات کے غروب ہوجانے اور آنکھوں سے اوجھل

ہو جانے کی یاد دلاتا ہے۔ پھر یہ انسان کی موت اور ہنگامِ قیامت دنیا کی تباہ و بربادی کی یاد دلاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جلالت و عظمت کی تجلیات ذہن نشیں کراتا ہے اور انسان کو غفلت کی نیند سے بیدار کر کے اسے چاک و چوبند کرتا ہے۔

عشاء کا وقت:

یہ وقت ہمیں اس بات کی چیتاؤنی دیتا ہے کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ جب دن کی اس روشن دنیا کو رات کی تاریکی اپنے سیاہ کفن میں لپیٹ لے گی اور سردیوں کا سفید کفن مردہ زمین کو ڈھانپ لے گا۔ جب مرجانے والے آدمی کے باقی ماندہ تمام کام دھندے فراموشیوں کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔ اور دنیا کے اِس دارالامتحان کے دروازے مکمل طور پر بند ہو جائیں گے۔ اور یہ کہ ان تمام چیزوں میں خدائے قہار و ذوالجلال کے جلالی تصرفات کارفرما ہیں۔

رات کا وقت:

یہ وقت سردی، قبر اور عالم برزخ کی یاد دلاتا ہے۔ اور پھر یہ روحِ انسانی کو یہ بات یاد دلاتا ہے کہ وہ خدائے رحمان و رحیم کی مہربانیوں کی کتنی محتاج ہے!

تہجد کا وقت:

یہ وقت یہ چیز یاد دلاتا ہے کہ قبر کی رات کے اندھیروں اور عالمِ برزخ کی تاریکیوں کے لیے ہمیں روشنی کی کس قدر ضرورت ہے! دِن کی ان تبدیلیوں کے جلو میں ہمیں یہ وقت اس منعمِ حقیقی کی بے حد و شمار نعمتوں کی یاد دہانی کراتا ہے۔ اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ منعمِ حقیقی حمد و ثنا کا کتنا اہل ہے!

دوسری صبح:

ہمیں صبح محشر کی یاد دلاتی ہے، جی ہاں! جس طرح اس رات کے لیے صبح

کا آنا اور اس خزاں کے لیے بہار کا آنا معقول، حتمی اور ضروری ہے، اسی طرح محشر کی صبح اور برزخ کی بہار کا آنا قطعی، یقینی اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔

بنابریں، نمازوں کے ان پانچوں وقتوں میں سے ایک وقت جس طرح ایک عظیم انقلاب کا سرِ آغاز ہے اور دیگر بہت سے عظیم انقلابات کو ذہن نشین کراتا ہے، اسی طرح وہ اپنے عظیم تریومیہ تصرفات کے ذریعے اشارتاً قدرتِ صمدانیہ کے عجائبات اور رحمتِ الٰہیہ کے انمول تحفوں کی یاد دلاتا ہے...... خواہ ان کا تعلق ہر سال کے ساتھ ہو یا ہر دور کے ساتھ، یعنی نماز کا ہر ایک وقت ہر سال اور ہر دور میں رحمتِ الٰہی کے نزول کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کا ___ جو کہ فطرت کا وظیفہ اور عبودیت، اور لازمی قرض ہے ___ ان اوقات میں فرض ہونا انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔

پانچواں نکتہ:

انسان فطرتاً بہت کمزور واقع ہوا ہے، اور اس پر طرّہ یہ کہ ایسی چیزوں کا شمار نہیں ہے جو اس کی زندگی کو بے مزا کر کے اسے رنج والم سے دوچار کرتی رہتی ہیں، اور صورتِ حال یہ ہے کہ وہ خود تو نہایت عاجز اور کمزور ہے لیکن اس کے دشمن اور آلام ومصائب بہت زیادہ ہیں، وہ خود بہت فقیر اور مسکین ہے لیکن اس کی حاجات وضروریات بہت زیادہ اور بہت سنگین ہیں، وہ خود نہایت ست، کسلمند اور نڈھال ہے لیکن زندگی کی تکالیف اس پر ناقابلِ برداشت بوجھ ہیں، اور انسان ہونے کے ناطے اس کے لیے کائنات کے ساتھ راہ ورسم اور ربط وضبط رکھنا بہت ضروری ہے، لیکن اس کی اپنی محبوب چیزوں سے مسلسل جدائی اور مانوس اشیا کی دم بہ دم زوال پذیری اس کے لیے دردِ بے درماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی عقل اسے بلند وبالا مقاصد اور زوال ناپذیر ثمرات کی جھلک دکھاتی ہے، لیکن اس کا ہاتھ بہت کوتاہ، اس کی عمر نہایت مختصر، اس کی طاقت بہت تھوڑی اور

اس کا صبر نہایت محدود ہے۔

تو انسان کی روح کو ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے (فجر کے وقت) اس چیز کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے کہ وہ دُعا اور نماز کے وسیلے سے ربِ قدیروذوالجلال کا دروازہ کھٹکھٹائے، اپنے حالات اس کے سامنے رکھے اور اس سے مدد اور توفیق کے لیے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر سورج طلوع ہوتے ہی جو بھاری ذمہ داریاں اس کے کمزور کندھوں پر پڑنے والی ہیں، اور جن اعمال و وظائف سے اس کا سابقہ پڑنے والا ہے، ان کی بجا آوری سے سرخرو ہونے کے لیے فقیر اور درماندہ روح کو کسی ایسے سہارے کی کتنی ضرورت ہے جس پر وہ اعتماد کر سکے! کیا اس بات میں کوئی پیچیدگی ہے جو سمجھ میں نہ آرہی ہو؟

اور پھر (ظہر کا وقت)، یعنی وہ وقت جو کہ دن کے جوبن اور اس کے زوال کی طرف میلان کا وقت ہے، یہ یومیہ اعمال کے اختتام کے قریب پہنچنے کا وقت ہے، مشغولیات ومصروفیات کی کلفتوں سے وقتی استراحت کا دور ہے، جس میں روح کو غفلت، حیرت، اضطراب اور ان دیگر کمر توڑ وقتی مشاغل سے دم لینے اور آرام وسکون کی ضرورت ہوتی ہے جن سے یہ فانی دنیا اسے دوچار کرتی ہے۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ یہ وہ وقت ہے جس میں احساناتِ الٰہیہ کے بادل اُمڈ اُمڈ آتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ روحِ انسانی کا ان تنگیوں سے خلاصی پانا اور اس غفلت اور حیرت کے بندھنوں سے آزاد ہونا اور ان فضول اور بے وقعت کاموں کی دلدل سے باہر آنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان اپنے منعمِ حقیقی یعنی اس القیومُ الباقی کے در کی پناہ لے لے اور گریہ وزاری کرتا ہوا، اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر اس کی ذات کا وسیلہ لیتا ہوا، اس کی ان گنت نعمتوں پر اس کی تعریف اور اس کا شکر ادا کرتا ہوا، صرف اسی سے مدد مانگتا ہوا، رکوع کے ذریعے اس کی عظمت اور جلال کے سامنے اپنے عجز وفقر کا اظہار کرتا ہوا، اور سجدے کے

ذریعے اس کے ابدی حسن و جمال اور سرمدی کمال کے سامنے اپنی ذلت، پستی اور فروتنی کا اظہار کرتا ہوا، اس کی چوکھٹ پر آ گرے، ۔۔۔صلوٰۃِ ظہر کی ادائیگی ہے، جو کتنی خوبصورت اور کتنی لذیذ ہے! یہ کتنی مناسب ہے اور اس کی ضرورت کتنی زیادہ ہے!......یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ جو انسان اتنی سی بات نہیں سمجھ پاتا ہے اسے خود کو انسان سمجھنا ہی نہیں چاہیے!

اور (عصر کی نماز کا وقت): جو کہ خزاں کے موسم اور بڑھاپے کی حزن خیز اور غم انگیز حالت اور آخری دور کے المناک ایام کی یاد دلاتا ہے، یہ یومیہ اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت ہے۔ یہ وقت دن میں صحت، عافیت اور سلامتی وغیرہ سے محظوظ ہونے اور خوشگوار خدمات سے عہدہ برائی جیسی الٰہی نعمتوں کے مجموع کلّی کے حصول کا وقت ہے۔اسی طرح یہ اس چیز کے اعلان کا وقت ہے کہ انسان کی حیثیت ایک ایسے مہمان کی ہے جو اپنی مرضی نہیں چلا سکتا ہے۔ اور یہ کہ ہر چیز زائل ہو جائے گی، کسی چیز کو ثبات، قرار یا دوام نہیں ہے۔۔۔اتنے گرانڈیل اور بھاری بھرکم سورج کا زوال کے لیے جھک جانا اسی چیز کی علامت ہے۔

جی ہاں! انسان کی روح جو کہ ابدیت اور خلود و دوام کی متلاشی ہے، اور جو پیدا بھی ابد اور بقا کے لیے کی گئی ہے، اور جو احسان پر بچھی جاتی اور فراق سے تکلیف پاتی ہے، یہ روح انسان کو اٹھا دیتی ہے تا کہ یہ عصر کے وقت اٹھ کھڑا ہو اور عصر کی نماز کے لیے وضو کا اہتمام کرے، تا کہ اس حیؔ قیوم اور باقی اور سرمدی ذات کے حضور اس کے صمدانیت کے دروازے پر گڑگڑاتا ہوا اس کے ساتھ سرگوشیاں کرے، اور اس کی وسیع رحمت کے فیضان کی پناہ میں آئے۔اس کی لاتعداد نعمتوں پر اس کی حمد وثنا اور اس کا شکر ادا کرے، اور اس طرح اس کی ربوبیت کی شان وعظمت کے سامنے مکمل ذلت اور پستی کا اظہار کرتا ہوا جھک جائے اور سراپا تواضع، انکسار اور فنا ہو کر اس کی دائمی الوہیت کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

اور اس کی کبریائی کی عظمت وجلالت کے سامنے اپنی کامل عبودیت اور مکمل استعداد کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی روح میں حقیقی طمانیت اور مکمل سکون محسوس کرے۔ اس معنی کو سامنے رکھ کر عصر کی نماز کی ادائیگی کتنے عالی مقام وظیفے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتنی بڑی مناسبِ حال خدمت کا درجہ رکھتی ہے! بلکہ دینِ فطرت کے تقاضوں کے مطابق چلنے کا کتنا حقیقی وقت ہے! انتہائی لذت کے ساتھ سعادت مندی کے حصول کے لیے یہ کتنی بڑی کامیابی ہے! یہ رمز ایک حقیقی انسان ہی سمجھ سکتا ہے۔

(اور مغرب کا وقت) جو ہے وہ ہمیں یہ چیز یاد دلاتا ہے کہ گرمی اور خزاں کے دور کی تمام لطیف اور جمیل مخلوقات کو سردی کے آغاز میں انتہائی غم کے عالم میں الوداع کر دیا جائے گا۔ یعنی یہ کہ اسی طرح انسان موت سے دوچار ہو کر اپنی تمام محبوب اور پسندیدہ چیزوں سے جدائی کا المناک جام پی لیتا ہے، اور یہ کہ اسی طرح یہ تمام دنیا فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اس زمین کا تمام نظام تہ وبالا ہو جائے گا اور اس کے تمام باسی یہاں سے منتقل ہو کر دوسرے عالم میں چلے جائیں گے۔

اور اسی طرح یہ وقت ہمیں اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب اس دارالامتحان کا چراغ بجھا دیا جائے گا۔ یہ وقت ان لوگوں کو بیدار اور ہشیار کرنے کا ہے جو دنیا کی عارضی اور فانی اور زوال کے افق کے پیچھے غروب ہو جانے والی چیزوں کے ساتھ پرستش کی حد تک عشق کرتے ہیں۔

اس لیے جو آدمی ایک آبدار آئینے جیسی روح کا مالک ہے وہ فطری طور پر اس جاودانی حسن وجمال کا مشتاق رہتا ہے، اور ایسے وقت میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے وہ اپنے چہرے کا رخ اس ذات کی عظمت کے عرش کی طرف کر لیتا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، جو ان بے شمار اور بڑے بڑے جہانوں کا بندوبست کرتی ہے، انھیں تغیر وتبدّل

سے آشنا رکھتی ہے۔ اور پھر ان فانی مخلوقات کے روبرو ان سے اپنا ہاتھ اٹھاتا ہوا اور ازلی، ابدی، دائمی اور باقی رہنے والی ذات کے حضور انتہائی ادب واحترام سے ہاتھ باندھ کر سیدھا کھڑا ہو کر گونج دار آواز میں کہتا ہے "اللہ اکبر"

ادب واحترام کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو کر اس کی کبریائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کے کسی بھی کمی کوتاہی سے پاک کمال، اور اس کے بے مثل و بے مثال جمال کے سامنے اس کی بے پایاں رحمت کے حضور حمد وثنا کرتا ہوا کہتا ہے: "الحمد للّٰہ" کہتا ہے تا کہ وہ اپنی عبودیت، اور اپنی بے مایگی کے احساس کو وسیلہ بنا کر اپنے اس آقا کی اس ربوبیت کے حضور پیش کرے جس ربوبیت کو کسی مدد کی ضرورت نہیں، اور اس کی اس الوہیت کو پیش کرے جس الوہیت کا کوئی بھی ساجھی، شریک یا پتّی دار نہیں ہے، اور اس کی اس سلطنت میں پیش کرے جس کا کوئی وزیر نہیں ہے۔ اور پھر اپنی اس بے مایگی کو اس کے حضور میں پیش کر کے کہے: "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن" اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی لاانتہا کبریائی، اس کی بے حد وحساب قدرت اور اس کی عجز نا آشنا شان وعظمت اور عزت وجبروت کے سامنے اپنی عاجزی، درماندگی، بے چارگی اور بے مایگی کا اظہار کرتا ہوا کائنات کا ہمنوا بن جائے اور جھکتا ہوا اپنے ربِّ عظیم کی پاکیزگی بیان کرتا ہوا پکار اٹھے:

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم"۔

پھر اس ذات کے لازوال جمال، اس کی غیر متغیر مقدس صفات اور اس کی غیر متبدل ابدیّت وسرمدیّت کے کمال کے سامنے پستی، خاکساری، شیفتگی، فریفتگی اور نیستی کے لہجے میں اپنی محبت اور عبودیت کا اعلان کرتا ہوا اور ماسوا سے منہ موڑتا ہوا "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی" کہتا ہوا سجدے میں گر جائے۔ اس سے وہ اس یقین سے سرشار ہو جائے کہ اس نے ہر فانی اور زوال پذیر ہستی کے مقابلے میں اس ابدی، سرمدی، سراپا حسن وجمال اور سراپا

رحمت ہستی کو پالیا ہے۔ اب وہ اپنے اس پروردگار کی تقدیس کرے گا جو زوال سے منزہ اور تقصیر سے مبرّا ہے، اور تشہد کے لیے بیٹھ جائے گا۔ اور اپنے ذریعے تمام مخلوقات کی طرف سے اُس صاحبُ الجلال والجمال ذات کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی بیعت کی تجدید کرتا ہوا اور ان کے اوامر کی اطاعت کا اظہار کرتا ہوا تحیّات اور پاکیزہ صلوات پیش کرے۔

اس طرح وہ کائنات کے اس عظیم محل کے نظم وضبط کا مشاہدہ کرتا ہے، اور اس کے نظم وضبط کو کائنات کے خالقِ ذوالجلال والاکرام کی وحدانیت کی دلیل سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا اور اسے مزید جگمگا لیتا ہے۔ پھر کائنات کے اس محکم نظم وضبط کو وہ سلطنت ربوبیت کی رہنمائی کرنے والے، اس ربوبیت کی رضامندیوں کی تبلیغ کرنے والے، اور اس کائنات کی عظیم کتاب کے مفسر اور اس کی آیات کے ترجمان یعنی محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کو گواہ بناتا ہے۔ تو اس منظر کی رو سے مغرب کی نماز ادا کرنا کتنی پاکیزہ مہم کتنے معزز اور شیریں وظیفے، کتنی خوبصورت اور پر لذت عبودیت اور کتنی عظیم بنیادی اور اصلی حقیقت کا درجہ رکھتا ہے! اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس فانی مہمان سرا میں یہ ایک کتنا عزت بھرا ملاپ، کتنی مبارک اور دائمی سعادت سے بھرپور مجلس ہے!...... تو کیا جو اتنی سادہ سی حقیقت بھی نہیں سمجھتا ہے وہ اپنے آپ کو انسان سمجھتا ہے؟

(اور عشاء کا وقت)، وہ وقت ہے جب کہ دن کے باقی ماندہ آثار بھی افق میں غروب ہو جاتے ہیں اور جس میں رات دنیا پر اپنی طنابیں تان لیتی ہے۔ یہ وقت قدیر ذوالجلال مقلب اللیل والنہار کے ربانی تصرفات کی یاد دلاتا ہے کہ وہ دن کے سفید صفحے کو سیاہ صفحے میں تبدیل کر دیتا ہے، اور یہ بھی کہ وہ حکیم ذوالکمال، مسخر الشمس والقمر اپنی الٰہی کاروائیوں کے ذریعے موسمِ گرما کے خوبصورت، دیدہ زیب اور آراستہ وپیراستہ سبز رنگ کے صفحے کو موسم

سرما کے سفید ٹھنڈے صفحے میں تبدیل کر دیتا ہے۔اور پھر یہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اہلِ قبور کے اس دنیا سے باقی ماندہ آثار مٹ جانے اور ان کے کلی طور پر دوسری دنیا میں منتقل ہو جانے کے ذریعے سے خالق الموت والحیات کے الٰہی شئوون و معاملات کی یاد دلاتا ہے۔اور اسی طرح یہ ایسا وقت ہے جو انتہائی کشادہ، پرعظمت اور جاودانی دنیا کے انکشاف کی صورت میں خالق السماوات والارض کے جلالی تصرفات اور جمالی تجلیات کی یاد دلاتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ تنگ و تاریک، فانی اور حقیر دنیا جو کہ ہولناک نزع کی حالت میں آخری سانسیں لے رہی ہے، عنقریب مکمل تباہ و برباد ہو کر موت کی آغوش میں چلی جائے گی۔

یہ ایک ایسا مرحلہ یا ایسی حالت ہے جو ثابت کرتی ہے کی اس کائنات کا حقیقی مالک بلکہ اس میں حقیقی معبود اور حقیقی محبوب ہو ہی وہ سکتا ہے جو رات دن، سردی گرمی اور دنیا و آخرت کو تغیر و تبدل سے دوچار رکھ سکتا ہو اور انھیں اتنی آسانی سے الٹا پلٹا سکتا ہو جیسے وہ کسی کتاب کے صفحات ہوں۔ چناں چہ وہ اس کتاب کو لکھ سکتا ہو، ثابت اور قائم رکھ سکتا ہو، مٹا سکتا ہو اور اس طرح کی ہر تبدیلی کا عمل نافذ کر سکتا ہو۔اور ایسا صرف وہی کر سکتا ہے جو قادرِ مطلق ہے اور جس کا حکم تمام کائنات میں جاری و ساری اور تمام موجودات پر لاگو ہے۔

اور اسی طرح۔۔۔انسانی روح جو کہ انتہائی درجے کی عاجز، فقیر اور حاجت مند ہے، اور جو کہ مستقبل کی تاریکیوں کے بارے میں حیران اور گردشِ لیل و نہار کے اندھیروں سے لرزاں و ترساں ہے۔۔۔وہ انسان کو جب وہ اس مضمون کو سامنے رکھ کر عشاء کی نماز پڑھتا ہے۔۔۔اس چیز پر آمادہ کرتی اور ابھارتی ہے کہ وہ بلا خوف و تردّد جناب ابراہیم علیہ السلام کی طرح (لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ) دہراتا جائے، اور یوں وہ۔۔۔نماز کے طفیل۔اس معبودِ لم یزل اور محبوبِ لایزال کے در پر پناہ گزیں ہو کر اس ذات کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف ہو جائے جو اس فانی دنیا، زوال پذیر کائنات اور تاریک مستقبل اور تیرہ و تار زندگی میں

دائمی، ابدی، سرمدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے؛ تا کہ وہ اس مختصری ہم نشینی اور چند لمحوں کی مناجات کے ذریعے اپنی دنیا کے اطراف و اکناف میں روشنی بکھیر لے، اپنا مستقبل روشن کر لے، اپنے اس رحمٰن و رحیم آقا کی رحمت کی توجہات کے مشاہدے اور اس سے طلب کی جانے والی ہدایت کی روشنی سے فراق و زوال کے ان زخموں پر مرہم رکھ لے جو اسے اپنی محبوب چیزوں کے چھوٹ جانے اور دوستوں، بھائیوں اور دیگر پیاروں کے بچھڑ جانے کی وجہ سے لگے ہیں، اور یوں وہ اس دنیا کو فراموش کر دے گا جو اس کے ساتھ مانوس ہو چکی ہے، اور جو عشاء کے پیچھے چھپ چکی ہے۔

تب وہ اس رحمت کی چوکھٹ پر دل کے آنسو بہائے گا اور سینے کے داغ جلائے گا، تا کہ نیند کی ۔۔۔ جو موت ہی کا ایک روپ ہے ۔۔۔ وادی میں داخل ہونے سے پہلے اپنی عبودیت کا آخری وظیفہ بھی ادا کر لے، کیونکہ نیند کی جس وادی میں وہ داخل ہو رہا ہے اسے پتہ نہیں کہ وہاں سے واپس لوٹ کر آئے گا کہ نہیں! اور تا کہ اپنے یومیہ اعمال کے حساب کتاب کا اختتام وہ احسن انداز کے ساتھ کر سکے۔ ان تمام چیزوں کے پیش نظر وہ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور فانی محبوباؤں کے بجائے اپنے جاودانی محبوب و معبود کے حضور آداب بجالانے کا شرف حاصل کرتا ہے اور تمام کمزور اور نادار مخلوقات کے بجائے اپنے قادر کریم پروردگار کے حضور سراپا نیاز کھڑا ہو جاتا ہے تا کہ اس "الحفیظُ الرّحیم" کے حضور فروتنی اور نیاز مندی اختیار کر کے بلند ہو جائے اور ان تمام نقصان دہ مخلوقات کی ایذا رسانی سے محفوظ ہو سکے جن کے خوف سے وہ کانپتا رہتا ہے۔

اس طرح وہ نماز کا آغاز سورۂ الفاتحہ سے یعنی اس رحیم و کریم ربُّ العالمین کی مدح و ثنا سے کرتا ہے جو کاملِ مطلق اور غنی مطلق ہے، اور اس طرح وہ ان مخلوقات کی جھوٹی مدح و ثنا سے دامن کشاں ہو جاتا ہے جن کی تعریف کرنے کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی وہ

تعریف کے قابل ہیں، جو بالکل ناقص اور فقیر ہیں۔

اور اس طرح وہ کسی کی احسان مندی کی ذلت سے بھی بچ جاتا ہے۔ اور اس کے بجائے اس دنیا میں ایک معزز مہمان کا رُتبہ حاصل کرلیتا ہے، اور انتہائی چھوٹے، حقیر، کمزور بلکہ معدوم ہونے کے باوجود ایک ایسے ملازم کا مرتبہ حاصل کرلیتا ہے جسے تمام لوگ رشک کی نظر سے دیکھیں۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' کے مرتبے پر فائز ہو گیا ہے۔

یعنی اس کی نسبت اب ازل و ابد کے شہنشاہ اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن کی طرف ہوگئی ہے۔ پھر وہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کہہ کر تمام مخلوقات کے عظیم معاشرے اور تمام نوعِ انسانی کی جماعتِ کبریٰ کی ترجمانی کرتا ہوا اس سلطانُ الازل والابد کے حضور صرف اس کی پرستش کا اقرار اور صرف اسی سے مدد مانگنے کا کردار پیش کرتا ہے، اور پروردگار سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسے صراطِ مستقیم پر چلائے، وہ صراطِ مستقیم جو کہ اس کا تابناک، روشن اور مستقبل کی تاریکیوں کے اوپر سے گزرتا ہوا ابدی سعادت کی بارگاہ تک پہنچانے والا راستہ ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کبریائی میں غور وفکر کرتا ہے؛ اور اس سوچ میں کھو جاتا ہے کہ یہ نظر نہ آنے والا سورج، جو کہ اس وقت نباتات وحیوانات کی طرح سوئے ہوئے ہیں، اور یہ ستارے جو اس وقت جاگ رہے ہیں، یہ سب کے سب اس کے امر کے تابع فرمان ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اس مہمان خانے کا چراغ ہے، اور ان میں سے ہر ایک یہاں کا خادم اور ملازم ہے، تب وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرتا ہوا پکار اٹھتا ہے '' اللّٰہ اکبر''، اور رکوع میں چلا جاتا ہے۔

پھر تمام مخلوقات کے سجدۂ کبریٰ کے بارے میں غور کرتا ہے کہ کس طرح موجودات کی

تمام اقسام ہر سال، ہر دور میں ۔۔۔ جیسے کہ اس رات میں سوئی ہوئی مخلوقات، بلکہ حتیٰ کہ خود زمین بھی، اور حتیٰ کہ تمام کی تمام کائنات اس وقت ایک منظم اور مرتب فوج کی طرح ہے؛ بلکہ ایک فرمانبردار سپاہی کی طرح ہے۔

وہ غور کرتا ہے کہ کس طرح ان موجودات کو جب ''کُنْ فَیکُون'' کے امر سے اُن کی دنیاوی ذمہ داری سے آزاد کیا جاتا ہے؛ یعنی جب انھیں آزاد کر کے عالم الغیب کی طرف بھیجا جاتا ہے تو وہ زوال کے ساتھ غروب کے مصلّے پر انتہائی نظم و ضبط سے اللہ کی کبریائی بلند کرتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہہ کے سجدہ ریز ہو جاتی ہیں؛ اور یہ تمام موجودات اسی طرح موسم بہار میں ___ بعینہٖ یہی یا ان جیسی شکلوں میں زمین سے اٹھائی جائیں گی اور انھیں ''کُن فیکُون'' کے زندہ اور بیدار کرنے والے امر سے زمین کے بطن سے اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے گا۔ اور یہ تمام کی تمام موجودات یا مخلوقات اس وقت اپنے مولائے حق کے حکم کی بجا آوری کے لیے تیار کھڑی ہوں گی ۔۔۔ اور پھر اس طرح کی سوچوں میں کھویا ہوا یہ ضعیف انسان بھی ۔۔۔ ان مخلوقات کی پیروی میں ۔۔۔ محبت سے سرشار؛ بقا سے لبریز فنا کو اپنا کر؛ اور عزت کے تاج سے مزیّن ذلت کی صورت کو لے کر رحمانِ ذُوالجلال اور رحیمِ ذُوالجمال کے دربار میں سجدے کے لیے گر پڑتا ہے۔

مجھے امید ہے میرے بھائی! کہ اب آپ یقیناً یہ بات سمجھ گئے ہوں گے کہ عشاء کی نماز کا ادا کرنا دراصل ایک ایسی فوقیت اور بلندی کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ معراج کے مشابہ ہے۔

اس نظر سے دیکھا جائے تو نماز کتنا خوبصورت وظیفہ، کتنا شیریں فریضہ، کتنی بلند خدمت، کتنی معزز اور لذیذ بندگی اور کتنی موزوں اور درست حقیقت ہے! مطلب یہ ہے کہ ان پانچوں وقتوں میں سے ہر ایک وقت عظیم زمانی انقلاب کے ربّانی کارروائیوں کے تنومند

نشانات اور بھرپور انعامات کی کلی علامات پر مشتمل ہے۔

سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مَنْ اَرْسَلْتَهُ مُعَلِّمًا لِعِبَادِکَ، لِیُعَلِّمَهُمْ کَیْفِیَّةَ مَعْرِفَتِکَ، وَعُبُوْدِیَّتِکَ، وَمُعَرِّفًا لِکُنُوْزِ أَسْمَائِکَ، وَتَرْجَمَانًا لِآیَاتِ کِتَابِ کَائِنَاتِکَ، وَمِرْآةً ...... بِعُبُوْدِیَّتِهِ...... لِجَمَالِ رُبُوْبِیَّتِکَ. وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِیْنَ وَارْحَمْنَا وَارْحَمِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.(آمین) بِرَحْمَتِکَ یَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن.

رحمۃ اللہ علیہ
عرس مبارک حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کی آخری محفلِ شب کے روح پرور مناظر

Quarterly
Qindeel-e-Suleman
14
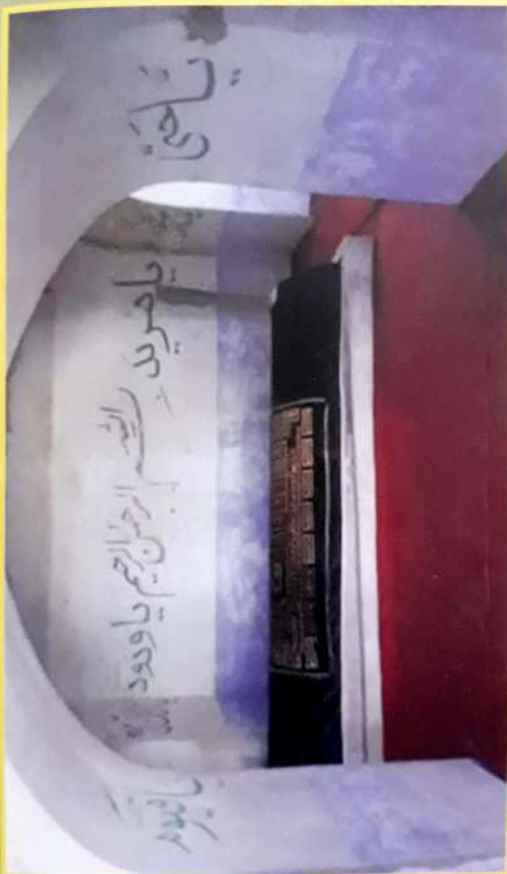
رحمۃ اللہ علیہ
مزارِ پُر انوار حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، چشت مبارک، ہرات (افغانستان)